ماہ نامہ

ہمدرد

نونہال

اگست ۱۹۸۶ء

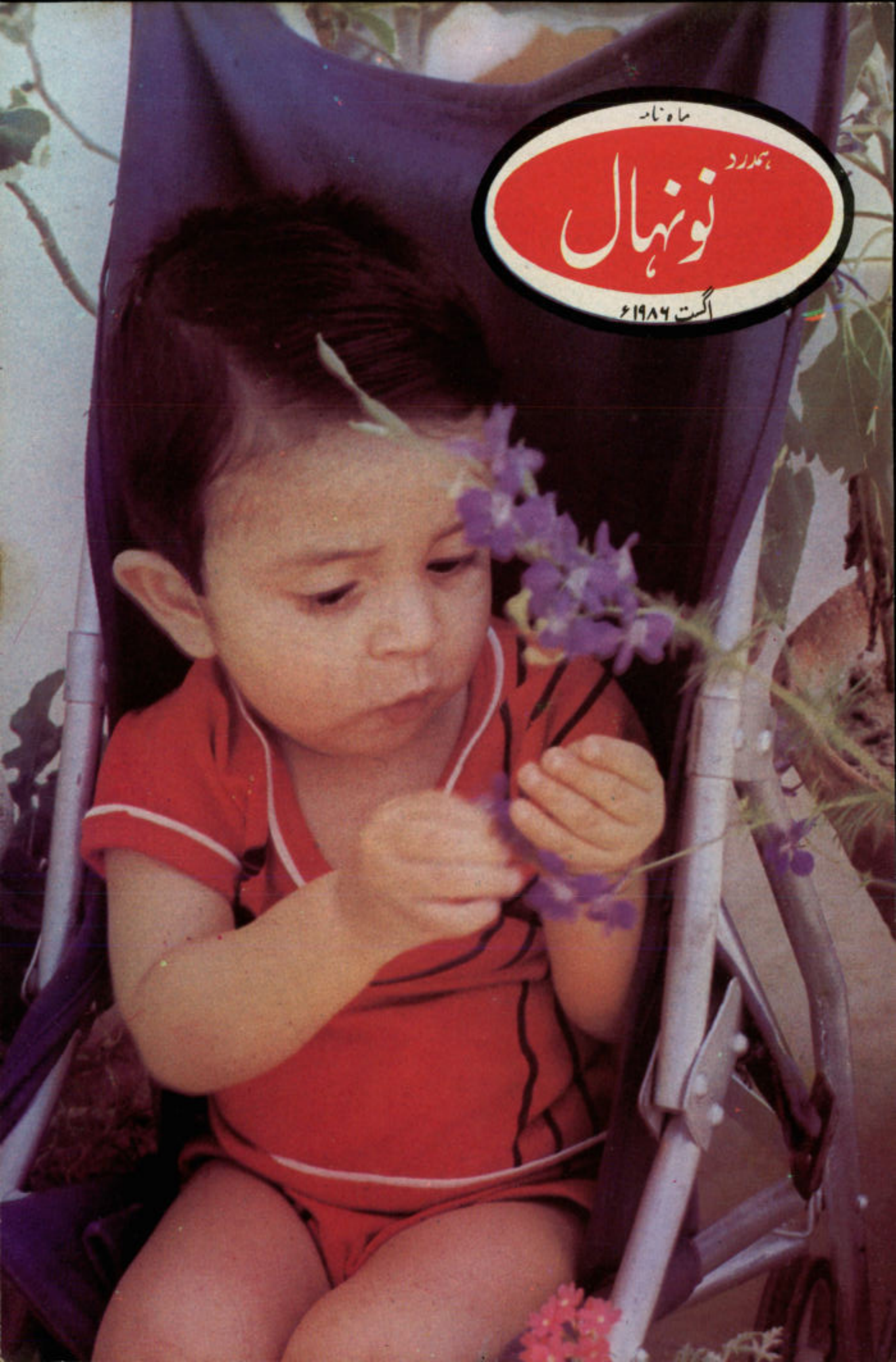

Everybody likes DANDY Fruit Gums
DANDY
The bubble gums
with 3 fruit flavours
Lemon
Strawberry
Orange
DANDY
Interflow

پوپ کارن کہانی سِلسلہ
مفت
ہر پیکیٹ میں ایک کہانی کی کتاب
رفحان
پیارے بچّو! ہم آپ کے لیے مزے دار پوپ کارن بنانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ کو اچھی اور معلوماتی کہانیاں اور پیاری پیاری نظمیں بھی پڑھنے کو ملیں۔ اسی لیے مزیدار کہانی پڑھنے کے لیے آج ہی رفحان پوپ کارن کا پیکیٹ خریدیے اور رفحان پوپ کارن کے ساتھ ملنے والی تمام
رفحان
POPCORN
Rafhan
POPS
16 TIMES IN SIZE

MNJ

جہاں چلے، رواں چلے
شاہ سنز کی نئی گولڈ فش آٹو کریٹ پینسل

پینسل کی کہانی خود اس کی زبانی

پیارے بچو! کیا آپ کو معلوم ہے کہ مجھے سب سے پہلے کس نے اور کب تیار کیا؟ ۱۷۹۵ء کی بات ہے۔ ایک فرانسیسی باشندے نے سب سے پہلے میرا سکہ دریافت کیا۔ اس سکے میں گریفائٹ اور کلے کا محلول شامل ہوتا ہے جسے گرم بھٹی میں ایک ہزار فارن ہائٹ کے درجہ حرارت پر گرم کیا جاتا ہے۔ اس گریفائٹ میں کاربن کی مقدار ۹۰ فیصد ہوتی ہے جبکہ کلے اسے مضبوطی سے جوڑنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ رنگین پینسلوں میں موم، تیل اور مختلف رنگ شامل کئے جاتے ہیں۔ پینسلوں میں استعمال ہونیوالی لکڑی کیلیفورنیا اور رانڈونیشیا سے درآمد کی جاتی ہے

پاکستان میں ان پینسلوں کی تیاری کے لیے **شاہ سنز** کا نام سرفہرست ہے۔ ان کی پینسلیں عالمی معیار کے مطابق تیار کی جاتی ہیں۔ ان کا سکہ مضبوط اور رواں ہوتا ہے۔

شاہ سنز کی نئی آٹوکریٹ پینسل کا تو جواب نہیں۔
ایک بار آزمانے کے بعد آپ اسے بار بار استعمال کریں گے،
دفتروں میں، اسکولوں میں، آرٹسٹ،
انجنیئرز، طالب علم سب ہی اسے استعمال کرتے ہیں۔

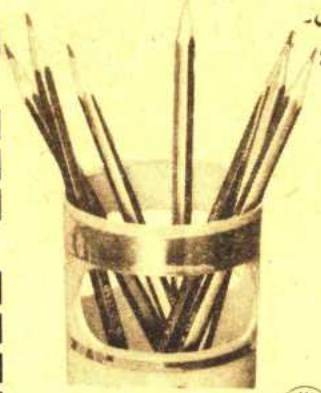

شاہ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ڈی ۸۸ - ایس - آئی - ٹی - ای - کراچی
فون: ۲۹۳۴۵۱، ۲۹۳۴۵۲

Midas Khi

نونہال

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

ذی الحجہ — ۱۴۰۶ ہجری
اگست — ۱۹۸۶ عیسوی
جلد — ۳۴
شمارہ — ۸

پتا:
ہمدرد نونہال،
ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۱۸

مجلس ادارت

صدر مجلس — حکیم محمد سعید
مُدیر اعلا — مسعود احمد برکاتی
مُدیرۂ اعزازی — سعدیہ راشد

*

قیمت فی شمارہ — ۴ رپے
سالانہ — ۴۵ رپے
سالانہ (رجسٹری سے) — ۸۱ رپے

*

ٹیلے فون : 616001 سے 616005

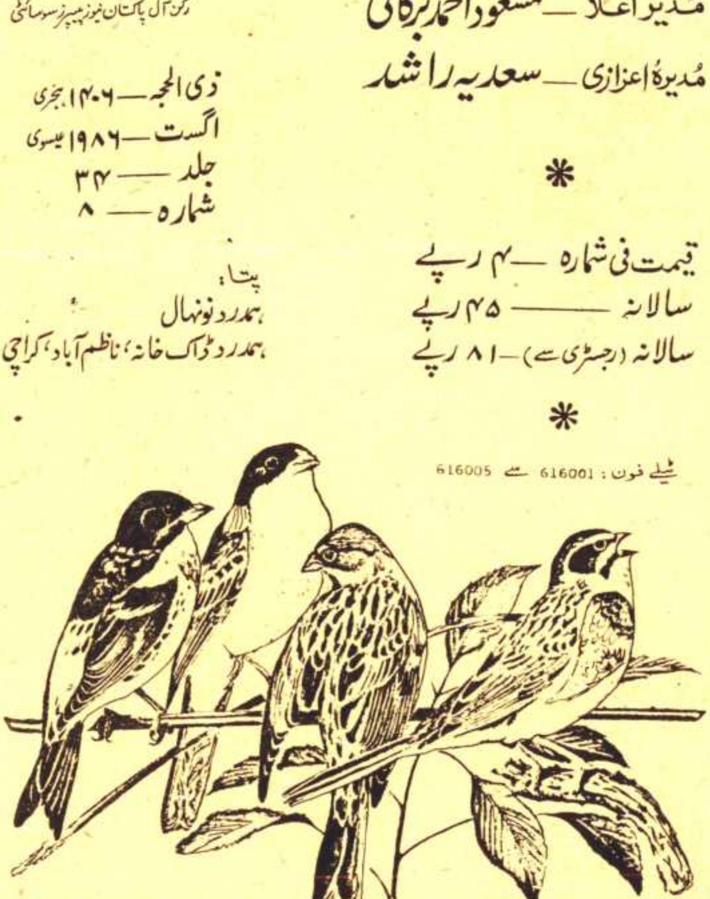

ہمدرد فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا۔

اس رسالے میں کیا ہے؟

عنوان	صفحہ	مصنف
جاگو جگاؤ	۵	جناب حکیم محمد سعید
پہلی بات	۶	مسعود احمد برکاتی
جشنِ آزادی (نظم)	۷	جناب فیض لودھیانوی
خیال کے پھول	۸	ننھے گل چیں
طب کی روشنی میں	۹	جناب حکیم محمد سعید
برسات کے بادل (نظم)	۱۳	محترمہ وحیدہ نسیم
کارٹون	۱۴	جناب مشتاق
دوست	۱۵	جناب وقار محسن
حاضر ہیں ہم پاکستان (نظم)	۱۹	جناب محمد انوار احمد
تحفے	۲۱	باذوق نونہال
جب میکسیکو میں....	۲۵	جناب ساجد علی ساجد
زمین کے متعلق...	۲۸	ادارہ
خیرد بن کالالو	۳۱	جناب میرزا ادیب
ایک اندھا ایک لنگڑا	۳۹	ڈاکٹر شمیم حنفی
جادوگر شہر میں رہتے چلا	۴۳	جناب مناظر صدیقی
ہمدرد انسائکلو پیڈیا	۴۹	جناب علی ناصر زیدی

معلومات عامہ ۲۴۴ ادارہ ۵۳ اخبار نونہال ننھے صحافی ۵۴ نونہال مصور ننھے آرٹسٹ ۵۶ بزم ہمدرد نونہال ادارہ ۵۷

توتا آزاد ہو گیا محترمہ کنیز فاطمہ غازی ۷۱ مسکراتے رہو ننھے مزاح نگار ۷۹ اس شمارے کے مشکل الفاظ ادارہ ۸۲ منتخب کہانیاں

اپنا پرچم ایک ہے اسعدیہ سیما۔ محنت کا ثمر، محمد آصف زکریا نونہال ادیب ننھے لکھنے والے ۸۳ ننھے قارئین لکھتے ہیں نونہال پڑھنے والے ۱۰۳

صحت مند نونہال ادارہ ۱۰۹ معلومات عامہ ۲۴۲ کے جوابات ادارہ ۱۱۰

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمے دار نہ ہوگا۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد، ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زندگی کا صحیح راستہ بتایا، اندھیرے سے روشنی میں لائے۔ آپؐ کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ کم لفظوں میں آپؐ بہت گہری اور اہم باتیں بیان فرما دیتے تھے۔ ایک بار جب آپؐ کے ساتھیوں نے آپؐ سے قربانی کے بارے میں پوچھا کہ یہ کیا ہے، تو آپ نے فرمایا:

"یہ تمھارے باپ ابراہیم کی سنّت ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست (خلیل اللہ) حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کے لیے ان کو اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو قربان کر دینے کا حکم دیا۔ حضرت ابراہیمؑ فوراً حکمِ الٰہی پر عمل کرنے کو تیار ہو گئے۔ عیدالاضحیٰ کا دن اسی "ذبحِ عظیم" کی یاد میں ہر سال منایا جاتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جانور کی قربانی دینا اصل میں ایک علامت ہے، ایک مشق ہے۔ یہ قربانی ظاہر میں تو کسی جانور کی ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں اپنے جذبات کی، اپنی خواہشوں کی قربانی ہوتی ہے۔ اللہ کے حکم کے آگے اپنی مرضی، اپنی خواہش، اپنے ارادے کو قربان کر دینے کا نام ہی اسلام ہے۔ جانور کو قربان کرنا اس بات کی علامت یا نشانی ہے کہ بندہ اپنے آقا کی خوشی اور رضامندی کے لیے اپنی عزیز ترین چیز، جان بھی قربان کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ یہ جذبہ ہی اصل چیز ہے۔ ہم جانور قربان کر دیں، مگر قربانی کا صحیح جذبہ پیدا نہ کریں تو کیا فائدہ! اللہ تعالیٰ کو کسی جانور کی یا کسی مال کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہم میں وہ جذبہ دیکھنا چاہتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کو اپنی اولاد قربان کر دینے پر تیار کر دیتا ہے۔ نمائش یا دکھاوے کے لیے مہنگے مہنگے جانور خریدنا اور ان کو حلال کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اچھا فعل نہیں ہے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

مسعود احمد برکاتی

پہلی بات

اگست کا شمارہ پیش ہے ۔

جولائی کے بارے میں ابھی زیادہ نہیں معلوم، لیکن جون کا شمارہ تو بہت پسند کیا گیا ۔ بہت خط آئے اور سب ہی نے تعریف کی ۔ دل خوش ہوا اور زیادہ محنت کرنے کی ہمت پیدا ہوئی ۔ کچھ تنقیدی خط بھی آئے ۔ ہم تنقیدی خط بھی شامل کر دیتے ہیں، البتہ جو خط زیادہ لمبے ہوتے ہیں چاہے وہ تعریف میں ہوں یا تنقید میں ان کے لیے جگہ نہیں نکلتی ۔ پھر ہم اکثر ان کا خلاصہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، ورنہ کم سے کم ان کی تنقید کو غور سے پڑھ کر سمجھنے کی کوشش تو ضرور کرتے ہیں ۔ بھئی ایک بات یہ ہے کہ اب بھی بعض نونہال خط میں اپنا پتا نہیں لکھتے ۔ مہربانی کر کے اپنی ہر تحریر کے نیچے پتا ضرور لکھ دیا کیجیے ۔ پیشگی شکریہ ۔

اچھا اب خاص بات، یعنی خاص نمبر کی بات ۔ تفصیلی اعلان اس شمارے میں شامل ہے ۔ نونہالوں کی تجویزوں کی روشنی میں ہم اس کو مرتب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ روشنی میں مرتب کرنے یا کوئی کام کرنے کا مطلب آپ سمجھتے ہیں نا؟ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تجویز یا مشورے کو سامنے رکھ کر جس حد تک عملی لحاظ سے اس کے مطابق کام کرنا ممکن ہو، کیا جائے ۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ ایک طرف جہاں تجویز کو سامنے رکھا جاتا ہے وہاں اس پر عمل کرنے کی دشواریوں کو بھی سامنے رکھنا پڑتا ہے اور جو نتیجہ بھی نکلتا ہے اس پر چلتے ہیں ۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشورہ دینے والے کے سامنے بہت سی وہ باتیں نہیں ہوتیں جو عمل کرنے والے کو پیش آتی ہیں، اس لیے مشورے اور عمل میں تھوڑا بہت فرق ضروری ہے ۔

نونہال بہت دن سے سلسلے وار کہانی کی فرمائش کر رہے تھے ۔ خاص نمبر سے وہ بھی شروع کی جا رہی ہے اور خود خاص نمبر میں بھی ایک مکمل سائنسی کہانی شامل ہو گی ۔ اس بار خاص نمبر کے ساتھ ایک بار پھر خوب صورت آٹو گراف بُک کا تحفہ دیا جا رہا ہے ۔ اس کی قیمت کوئی ۵ رُپے ہوتی ہے اور خاص نمبر کی قیمت بھی کم رکھی گئی ہے، اس لیے سوالات پر کوئی نقد انعام نہیں رکھا جا رہا ہے ۔ ہاں نام شائع کیے جائیں گے ۔ آپ اپنے دوستوں کو بھی ابھی سے بتا دیجیے کہ وہ خاص نمبر خریدنے میں تاخیر نہ کریں، کیوں کہ رسالہ جلدی ختم ہونے کا امکان ہے ۔ یوں بھی اچھی چیز کو پھیلانا چاہیے ۔ زیادہ سے زیادہ دوستوں کو ہمدرد نونہال پڑھنے کا مشورہ دیں تاکہ اب کے اس کی قیمت بڑھانی نہ پڑے ۔

اچھا اب خاص نمبر تک اللہ حافظ ۔

آزادی کی چال مبارک   جمہوری اعمال مبارک

جشنِ استقلال مناؤ   جشنِ استقلال مبارک

ہر سُو نغمے گونج رہے ہیں   نغموں کے سُر تال مبارک

پاک چمن کی پاک فضا میں   ہر رونق ہر سال مبارک

روشن ماضی کی برکت سے   مستقبل کا حال مبارک

قائدِ اعظم کے فرمودہ   تعمیری اقوال مبارک

جو حاصل ہو محنت کر کے   ہم سب کو وہ مال مبارک

پکوانوں میں کیا رکھا ہے   سادہ روٹی دال مبارک

فیض وطن کے جاں بازوں کو

عزت اور اقبال مبارک

خیال کے پھول

○ حضور اکرمؐ —— جو آدمی نرم مزاجی سے محروم ہوگیا وہ خیر سے محروم کر دیا گیا۔

مرسلہ: محمد ظفر اللہ ضیا، کمالیہ

○ حضرت عثمانؓ —— زبان بند رکھنا سب سے بڑی عبادت ہے۔ مرسلہ: نامعلوم

○ حضرت عمرو بن العاصؓ —— ایک ہزار لائق انسانوں کی موت کے مقابلے میں نالائق شخص کی حکم رانی زیادہ نقصان دہ ہے۔ مرسلہ: محمد اسماعیل عبدالعزیز، کراچی

○ امام جعفر صادق —— انتقام کی قدرت رکھتے ہوئے غصہ پی جانا افضل ترین جہاد ہے۔

مرسلہ: خالد محمود قریشی، کراچی

○ امام مالک —— جھوٹ تمام گناہوں کی ماں ہے۔ مرسلہ: سید ندیم

○ افلاطون —— وہ شخص عقل مند نہیں جو دنیاوی لذتوں سے خوش اور مصیبتوں سے مضطرب ہے۔

مرسلہ: شاہد احمد گل، سجاول

○ ارسطو —— لگن کے بغیر کسی میں بھی ذہانت پیدا نہیں ہوتی۔ مرسلہ: صالحہ حسن، کراچی

○ حکیم بقراط —— جو خدا سے نہیں ڈرتا وہ سب سے ڈرتا ہے۔ جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔

مرسلہ: صولت مشتاق، کراچی

○ ملٹن —— پرانے تجربات نئی تعمیر کی بنیاد ہوتے ہیں۔ مرسلہ: محمد علی، کراچی

○ امام رازی —— مجلس میں زبان پر، غصے میں ہاتھ پر اور دسترخوان پر بیٹھ کر بھوک پر قابو رکھو۔

مرسلہ: شازمہ کنول، نواب شاہ

○ بائرن —— یہ دنیا ایک عظیم موسیقار کے نغمے کی گونج ہے۔ انسان کے پاس صرف شوقِ سماعت ہونا چاہیے۔ مرسلہ: فرح بلقیس، کراچی

○ ایڈ منڈ اسپنسر —— تجربہ زندگی کا بہترین علم ہے۔ مرسلہ: جمیلہ رانی، شہداد پور

○ علامہ مشرقی —— ہر قوم کی فتح مندی اور غلبے کا راز اس کے جوانوں کی جسمانی صحت پر ہے۔

مرسلہ: جان محمد کھتری، امیر پور بٹھورو

○ برٹرینڈ رسل —— میں نہیں چاہتا کہ یہ دنیا محض اس لیے ختم کر دی جائے کہ اس کے حکم راں احمق ہیں۔

مرسلہ: سعدیہ سعید، سکھر

سوال و جواب

طب کی روشنی میں

حکیم محمد سعید

آنکھوں کے نیچے حلقے

س : میری آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے ہیں۔ انھیں کیسے ختم کروں؟ میری نظر کم زور ہے اور چشمہ بھی لگاتی ہوں۔

شازمہ کنول، فیصل آباد

ج : آپ نے عمر نہیں لکھی۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے خون کی کمی ہو رہی ہو اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ رہے ہوں۔ اپنی غذا میں سبزیاں، ترکاریاں ذرا زیادہ استعمال کریں۔ جب انار آ رہا ہو تو روزانہ انار کھائیے۔ اس میں قدرتی فولاد ہوتا ہے، جو بینائی کے لیے مفید ہے۔ سرد موسم میں گاجروں کا زیادہ سے زیادہ رس پینا مفید رہے گا۔

دل میں سوراخ

س : دل میں سوراخ کیوں اور کیسے ہو جاتا ہے؟ اس کا علاج کیا ہے۔ کیا آپریشن ضروری ہے؟

غزالہ منیر شیخ غزل، لاڑکانہ

ج : اکثر و بیشتر یہ صورتِ حال پیدائشی ہوتی ہے، جیسے پیدائشی ناک کان نہیں ہوتے یا پیدائشی طور پر بول و براز (پیشاب پاخانہ) کے راستے نہیں ہوتے یا پانچ کے بجائے چھے انگلیاں ہوتی ہیں یا دل بائیں کے بجائے دائیں جانب ہو جاتا ہے۔

ایسے حالات ضرور ہوتے ہیں کہ قدرت عمر کے ایک خاص حصے تک پہنچنے سے پہلے اس سوراخ (ثُقبہ) کو بند کر لیتی ہے اور آپریشن ضروری نہیں ہوتا، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو آپریشن اب اس کا ہو سکتا ہے۔

جسم پر جھریاں

س : بڑھاپے میں جسم پر جھریاں کیوں پڑ جاتی ہیں ؟

پرکاش کمار کا چھیلا، شہداد کوٹ

ج : ہمارے جسم کا نظام یہ ہے کہ ٹوٹ پھوٹ اور مرمّت کا ساتھ اوّل دن سے ہے۔ آخری سانس تک جاری رہتا ہے۔ جلد کا حال بھی یہی ہے کہ خلیات ٹوٹتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیات لے لیتے ہیں۔ دورانِ خون روانی کے ساتھ جاری رہتا ہے اور جلد تر و تازہ رہتی ہے لیکن آخر عمر کا ایک ایسا دَور آتا ہے کہ جلد یا بہ دیر ٹوٹ پھوٹ زیادہ ہوتی ہے اور مرمّت اس رفتار سے نہیں ہوتی۔ جلد کو مُغذّی (غذا دینے والے) کم ملتے ہیں اس لیے جلد بوڑھی ہو جاتی ہے۔ لٹک جاتی ہے یا اُس میں جھُریاں پڑ جایا کرتی ہیں۔

چڑچڑا پن

س : عمر ۱۶ سال ہے۔ ہر بات پر غصّہ بہت آجاتا ہے، لیکن ہم یہ غصّہ کسی چیز پر ظاہر نہیں کرتے اس طرح اندر ہی اندر گھلتے رہتے ہیں۔ چند مہینوں سے طبیعت میں بے حد چڑچڑا پن بھی آگیا ہے۔ ازراہِ کرم جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

ناہید رحیم، کراچی

ج : یہ بھی خوب رہی، یعنی غصّہ آپ کریں اور جواب میں دوں۔ واللہ کیا زمانہ آگیا ہے، غصّہ اکثر و بیش تر ان حالات میں آتا ہے کہ انسان حالات سے مطابقت پیدا کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اس کا تعلق اخلاق سے بھی ہے۔ بد اخلاق انسان کے دل و دماغ سے انسان کی محبّت کا وصف کم ہو جاتا ہے۔ صاف بات یہ ہے کہ جب احساسِ برتری ہو جاتا ہے تو ہر انسان کم تر نظر آتا ہے اور کم تر پر غصّہ ضرور آتا ہے۔ آپ کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے، مگر آپ کا ضمیر بیدار ہے اور بُرائی کے احساس سے آپ ابھی عادی نہیں ہوئے ہیں، اس لیے غصّہ پینے کی صلاحیت باقی رہ گئی ہے۔ دل کو ٹٹولنا چاہیے اور جہاں جہاں محبّت و احترام کی کمی نظر آئے اُسے دُور کرنا چاہیے۔

بواسیر

س : میری عمر ۱۵ سال ہے۔ جہاں سے فضلہ خارج ہوتا ہے وہاں پر دانے کی مانند کوئی چیز نکل آئی ہے جس سے درد بھی ہوتا ہے اور کبھی کبھی خون بھی آتا ہے۔ ازراہِ کرم کوئی علاج یا پرہیز

بتائیں۔ محمد اظہر، کراچی

ج: حالات سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بواسیر کا مستا ہے، مگر کسی درجے میں یہ "فشر" بھی ہو سکتا ہے، یعنی ناصور۔ مناسب ہے کہ اس کا معائنہ کرا کے حسبِ حال علاج کرایا جائے۔ اگر فشر کی صورت ہے تو اس کا اپریشن بھی کوئی آسان نہیں ہے اور ضروری نہیں کہ وہ کامیاب ہو۔

بال گر رہے ہیں

س: میری عمر ۱۲ سال ہے۔ میرے دوست سے لڑائی ہو گئی تھی۔ اس نے میرے بال کھینچے تو بال ایک ایک کر کے گرنے لگے۔ از راہِ کرم کوئی علاج بتائیں۔ بشیر بابر، ڈگری

ج: یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہوئی کہ دو دوست آپس میں لڑ پڑے۔ پھر یہ کیسی دوستی ہوئی کہ غصے سے انسان بے قابو ہو جائے اور نوبت ہاتھا پائی اور بال نُچائی تک جا پہنچے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دوستی مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں ہے اور یک جان دو قالب کا سامان نہیں ہوا۔

خیر یہ تو ہوا، مگر ایسا کہنا صحیح نہیں ہے کہ دوست نے بال کھینچے اور اب وہ ایک ایک کر کے گر رہے ہیں۔ بات کوئی اور ہی ہے۔ ذرا دیکھیے تو آپ کے سر میں خشکی (بفا = ڈینڈرف) تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو بال اس کی وجہ سے بھی گر سکتے ہیں۔

سر میں درد

س: میری باجی کے سَر میں اکثر درد ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہیں۔ از راہِ کرم کوئی حل بتائیے۔ ذکیہ سلطانہ مغل، جیکب آباد

ج: آپ نے باجی کی عمر نہیں لکھی۔ ممکن ہے کہ اُن کی آنکھیں کم زور ہوں اور مطالعے یا باریک کام سے آنکھوں پر زور پڑتا ہو اور دردِ سر ہو جاتا ہو، اگر ایسا نہیں ہے اور آنکھیں اچھی ہیں تو پھر دردِ سر کا دوسرا، تیسرا سبب تلاش کرنا ہو گا۔ ممکن ہے کہ نظامِ ہضم کی خرابی کی وجہ سے ہو رہا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ درد عصبی قسم کا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضعفِ دماغ اس کا سبب ہو۔ اب حل تو یہ ہے کہ کسی اچھے معالج سے بات کریں، تاکہ وہ درد کا اصل سبب دریافت کر کے مناسب علاج بتائیں۔

تمام طلباء و طالبات کی دلپسند

نوٹ بُکس

پی پی پی برانڈ

ملک بھر کے یوٹیلیٹی اور کینٹین اسٹورز اور اسٹیشنری کی
دوکانوں میں مقررہ داموں پر دستیاب ہیں۔

پاکستان پیپر پروڈکٹس لمیٹڈ

پوسٹ بکس نمبر ۷۴۳۸ - کراچی ۳

786/PPP-16/84

ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے آئے   کالے کالے بادل آئے
اُڑتے اُڑتے آئے ہوا پر   جلدی جلدی چھائے فضا پر
قدرت کے ہی کھیل نرالے   جمنے لگے وہ روئی کے گالے
دوڑے بھاگے ٹکڑے پھیلے   ہونے لگے پھر مَیلے مَیلے
رات کو تارے ان سے ہراساں   دن کو سورج ان سے پریشاں
کرنوں نے جب تار بکھیرے   قوس و قزح کے بن گئے گھیرے
دُور افق پر بادل پھیلے   رنگ برنگے آنچل پھیلے
باغوں کا منھ دھو کر گزرے   ٹیلوں پر سے رو کر گزرے
جنگل میں لہراتے آئے   بستی میں بَل کھاتے آئے
وادی سے چپ چاپ نکل کر   کھائی پہاڑوں سے جب ٹکّر
گھومے گرجے، چمکے برسے   بچّے بوڑھے سارے لرزے
ڈال پہ برسے پھول پہ برسے   بن کے کرم اسکول پہ برسے

ٹن ٹن ٹن ٹن بج گئی گھنٹی
ہو گئی لو اسکول کی چھٹّی

بیگم، اپنے بچّوں کو بُرا نہ کہو۔ اگر ہم گاڑی ہیں تو یہ دونوں گاڑی کے پہیے ہیں
اگر یہ پہیے ہیں تو گاڑی کا خدا ہی حافظ ہے۔ ایک سائکل کا پہیا ہے تو دوسرا ٹرک کا۔

بیٹے! میں پابندی سے تمھیں اسکول اس لیے بھیجتی ہوں کہ تم ایک اچھے انسان بنو۔
امّی، یہی بات آپ ماسٹر صاحب کو بتائیں نا۔ وہ تو روز ذرا ذرا سی بات پر مجھے مرغا بنا دیتے ہیں۔

دوست

وقار محسن

گرمیوں کی اس دوپہر میں جب کہ چیل کے انڈا چھوڑنے کے کافی روشن امکانات تھے اور ننھے فیصل، تانیہ اور ان کے دوستوں کا املی کے درخت کے نیچے جمع ہونا بہت مشکل تھا، لیکن جیسے ہی دادی اماں کی آنکھ لگی فیصل اور تانیہ چُپکے سے نکل بھاگے۔ ان کا جھبرا کتّا موتی اور سفید بالوں والی بلّی ریشم ان دونوں کے انتظار میں ٹہل رہی تھی۔ چاروں پنجوں کے بَل چلتے ہوئے دالان کی چق اُٹھا کر نکلے اور ایک ہی چوکڑی میں املی کے درخت کے نیچے پہنچ گئے۔ اس ایمر جنسی میٹنگ کی وجہ یہ تھی کہ دادا ابّا نے کوٹھی کے سامنے والا پلاٹ بیچنے کا ارادہ کر لیا تھا جس میں یہ املی کا بوڑھا درخت کوٹھی پر سایہ کیے برسوں سے کھڑا تھا۔ جن صاحب نے اس پلاٹ کو خریدنے کا سودا

کیا تھا وہ اس درخت کو کٹوا کر تعمیر کا کام شروع کروانا چاہتے تھے۔ جس دن سے تانیہ اور فیصل نے یہ خبر سُنی تھی وہ بے چین تھے۔ کل اس پلاٹ کا سودا ہو جائے گا اور پھر املی کا یہ درخت جس کے سائے میں ان کا بچپن بکھرا ہوا تھا کاٹ دیا جائے گا۔ اس خیال سے ان دونوں کے دل کانپ رہے تھے۔ موتی نے درخت کی جڑ میں کھود کر پنجوں سے ٹھنڈی ریت نکالی اور اس پر گردن رکھ کر کہنے لگا:

"ننھے فیصل! میں کل ان توند والے انکل کی ٹانگ چبا ڈالوں گا جو ہمارے پیارے درخت کو کاٹنا چاہتے ہیں۔"

ریشم نے موتی کو ڈانٹا "تمھاری عقل تو دُم میں ہے۔ ہر وقت انسانوں کی طرح غرّانا ٹھیک نہیں۔ کبھی کبھی جانوروں کی عقل سے بھی کام لے لیا کرو۔ ہمیں جوش سے نہیں بلکہ ٹھنڈے دل سے کوئی معقول تجویز سوچنی ہوگی۔"

"ریشم! میرا خیال ہے کہ ہم ان توند والے انکل سے کہیں کہ اس درخت پر بھوتوں کا سایہ ہے۔ شاید وہ ڈر کر اس پلاٹ کو لینے کا ارادہ بدل دیں۔" تانی نے اپنی فراک سے مٹّی جھاڑتے ہوئے مشورہ دیا۔

فیصل جو خاموشی سے گیلی ریت میں پیر ڈال کر گھروندا بنانے میں مشغول تھے آہستہ سے اپنا پیر نکالتے ہوئے بولے، "تانی بہن! بھوت کو ہم بھوت سے کیا ڈرائیں گے۔ انکل بُل ڈوزر بالکل تیار ہیں پلاٹ لینے کے لیے۔"

بوڑھا درخت خاموشی سے بچّوں کے پریشان چہروں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی شاخیں بھی اُداسی سے آہستہ آہستہ ہل رہی تھیں۔ آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے دادا ابّا نے اس کو اپنے ہاتھ سے لگایا تھا۔ اتنے لمبے عرصے سے یہ درخت سپاہی کی طرح سینہ تانے کوٹھی کے سامنے والے احاطے میں کھڑا تھا۔ کتنے موسم بیت گئے۔ اس کے دامن میں کھیلتے کھیلتے بچّے جوان ہوئے اور اب ان کے بچّے اس کی آغوش میں تھے۔ برسات میں جب اس کے بازوؤں میں جھولے پڑتے اور پینگ بڑھاتے ہوئے بچّوں کے خوشی سے دمکتے چہرے چاروں طرف بکھرے ہوتے تو بوڑھے درخت کا ایک ایک پتّا خوشی سے جھومنے لگتا۔ امتحان کے دِنوں میں اس کے مختلف گوشوں میں بچّے سر جھکائے پڑھنے میں مصروف ہوتے تو اس کی کوشش ہوتی کہ سورج کی کوئی گرم کرن ان

تک نہ پہنچے۔ فیصل میاں پر جب بھی ڈانٹ پڑتی وہ ہمیشہ روٹھ کر اس درخت کے نیچے آکر بیٹھ جاتے۔ دادی اکثر چلّاتیں :

"ارے چندا! مغرب کے بعد پیڑ تلے نہ جاؤ۔ اثر ہو جاتا ہے۔"

اور فیصل میاں پر تو واقعی اس درخت کی محبّت کا ایسا اثر ہوا تھا کہ اس کے نیچے جاکر ان کو ایسا سکون ملتا جیسے سردیوں کی راتوں میں دادی اماں سے لپٹ کر سونے میں۔

بہر حال اس وقت چاروں دوست بہت رنجیدہ تھے اور سر جوڑ کر ایسی تدبیر کی تلاش میں تھے جس سے ان کا یہ شفیق دوست ان سے جدا نہ ہو۔ درخت کے کٹنے کے تصوّر سے ہی وہ لرز رہے تھے۔ اچانک موتی نے دُم تان لی۔ جس کا مطلب تھا کہ کوئی نیا خیال اس کے ذہن میں آیا ہے۔

"ریشم! دادا جان پیسوں کے لیے یہ پلاٹ بیچ رہے ہیں۔ اگر ہم ان کو پیسے دے دیں تو؟"

"موتی! تم جب بولو گے بے تکی بات بولو گے۔ جھوٹی ہڈیوں کے علاوہ تمھارے پاس ہے ہی کیا؟" ریشم نے کہا۔

"میرے پاس پچھلی عید کے تیس رُپے گولک میں جمع ہیں۔" ننھے فیصل غم زدہ لہجے میں بولے۔

"میں نے جو گڑیا کی شادی کے لیے دس رُپے رکھے ہیں وہ دے دوں گی۔" تانیہ نے بے بسی سے کہا۔

"یعنی چالیس رُپے اور دو جھوٹی ہڈیاں اور لینے چلے ہیں دو لاکھ کا پلاٹ۔" ریشم نے طنزیہ کہا۔

چاروں دوستوں کے چہرے پھر مایوسی سے لٹک گئے۔ بہت غور و فکر کے بعد یہ طے ہوا کہ آج رات کو دادا ابّا کا موڈ ٹھیک ہو تو ان سے اس معاملے پر بات کی جائے۔

رات کو جب کھانے سے فارغ ہو کر دادا ابّا اپنا حقّہ لے کر اپنے کمرے میں چلے گئے تو تانیہ اور فیصل چپکے چپکے کمرے میں داخل ہوئے اور ان کے پاؤں دبانے لگے۔ دادا ابّا نے مسکرا کر کہا :

"ارے آج ہمارے بیٹے اتنے خاموش کیوں ہیں۔ کیا پک نِک پر جانے کی اجازت چاہیے۔"

تانیہ نے اپنی گولک دادا کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا، "دادا جان! اس میں دس رُپے ہیں۔ یہ سب آپ لے لیں۔ اب میں کبھی پیسے نہیں مانگوں گی، عید پر بھی نہیں۔"

فیصل بھی بسورتے ہوئے بولے، "دادا جان! میرے تیس رُپے بھی لے لیں۔ اب میں کوئی پیسہ خرچ نہیں کروں گا۔ جمع کرکے آپ کو دیتا رہوں گا۔"

دادا ابّا نے تانیہ اور فیصل کو گود میں بٹھاتے ہوئے کہا، "ارے بھئی! آج تو ہمارے بیٹا لوگ بڑے سنجیدہ ہیں۔ خیر تو ہے؟"

تانیہ نے سسکی لیتے ہوئے کہا، "دادا جان ہمارے پیارے دوست املی کے درخت کو بچالیں۔ ہم اس کے بغیر کیسے رہیں گے۔"

"ارے بھئی اتنی سی بات کے لیے اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ مجھے خود اس درخت سے بہت لگاؤ ہے۔ اس کی چھاؤں میں تمھارے پاپا اور پھپھو نے اپنے بچپن گزارے ہیں۔ بہت سے دوستوں نے ساتھ چھوڑ دیا، لیکن اس پرانے دوست نے ہر اچھے بُرے وقت میں اپنا مہربان سایہ میرے اور میرے بچّوں پر قائم رکھا۔"

اگلے دن چھٹّی تھی۔ صبح ہی سے کالے کالے بادلوں سے آسمان ڈھکا ہوا تھا۔ پرجیس پھپھو اپنے بچّوں کے ساتھ رات ہی آگئی تھیں۔ تانیہ نے بھی اپنے اسکول کی دوستوں کو بُلایا ہوا تھا۔ اسی درخت کے نیچے دادی نے اینٹوں کا چولھا بنا کر پوریاں تلنے کا انتظام کیا تھا۔ مالی رحیم داد نے سرخ رسّی کا جھولا املی کے درخت میں ڈال دیا تھا۔ کچھ دیر بعد بادل پھٹ پڑے اور چاروں طرف پانی کی چادر سی تن گئی۔ جھولے پر پینگ بڑھاتے ہوئے بچّوں کے قہقہے، دوسری طرف کوڑا جمال شاہی کھیلتی ٹولی کا شور اور پتّوں پر ٹپ ٹپ کرتے بارش کے قطروں کی موسیقی نے دلوں کو خوشی سے بھر دیا تھا۔

دوسری منزل پر اپنے کمرے کی کھڑکی کے شیشے سے دادا جان اپنے خاندان کے ستاروں کو دمکتا دیکھ رہے تھے۔ املی کا بوڑھا درخت اپنے وسیع دامن میں لہلہاتے ان پھولوں کو دیکھ کر خوشی سے جھوم رہا تھا۔

حاضر ہیں ہم پاکستان

محمد انوار احمد

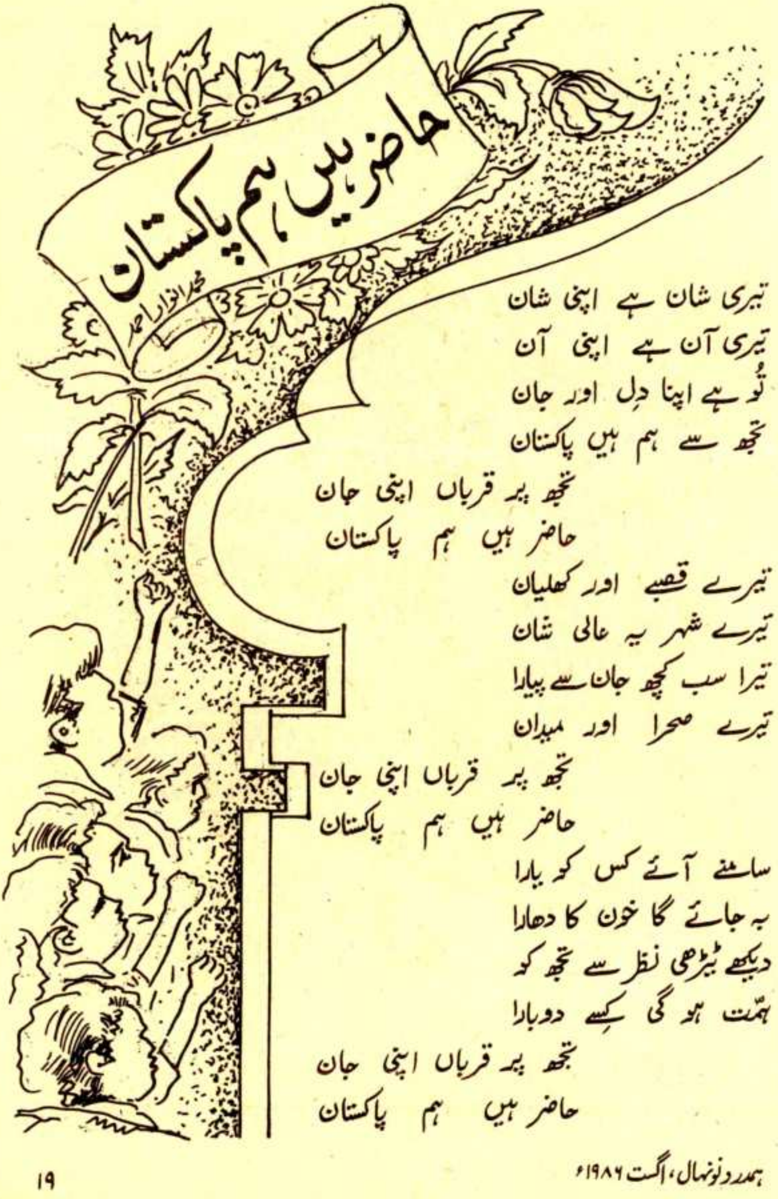

تیری شان ہے اپنی شان
تیری آن ہے اپنی آن
تُو ہے اپنا دِل اور جان
تجھ سے ہم ہیں پاکستان

تجھ پر قرباں اپنی جان
حاضر ہیں ہم پاکستان

تیرے قصبے اور کھلیان
تیرے شہر یہ عالی شان
تیرا سب کچھ جان سے پیارا
تیرے صحرا اور میدان

تجھ پر قرباں اپنی جان
حاضر ہیں ہم پاکستان

سامنے آئے کس کو یارا
بہ جائے گا خون کا دھارا
دیکھے ٹیڑھی نظر سے تجھ کو
ہمّت ہو گی کِسے دوبارا

تجھ پر قرباں اپنی جان
حاضر ہیں ہم پاکستان

UNION INTRODUCES ANOTHER QUALITY PRODUCT

TOFFEES
REAL CHEWY CANDY

UNION The Biggest name in wholesome taste

Midas Khi

تحفے

اُمید کا دامن

مرسلہ: پرنم جان، کراچی

انسان زندگی میں وہ سب کچھ نہیں پا سکتا جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔ کچھ آرزوئیں ہمیشہ تشنہ رہ جاتی ہیں، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان تمنّاؤں سے گریز کرنے لگے۔ ہماری زندگی میں امید کی کرن ہی تو اندھیروں کو اُجالوں سے منوّر کرتی ہے۔ اس لیے مایوسی گناہ ہے۔ ہمیں امید کا دامن ہمیشہ تھامے رہنا چاہیے۔

فیثاغورس نے کہا

مرسلہ: سرفراز عارف، کراچی

- ایسے شخص کی صحبت میں نہ بیٹھو جس کی شہرت اس کے بُرے اعمال کے باعث داغ دار ہو اور جسے لوگ پیٹھ پیچھے بُرا کہتے ہوں۔
- عام آدمیوں کے پیچھے مت چلو، صرف دانش مندوں کی پیروی کرو۔
- دوسروں کے گناہوں کو معاف کر دو، مگر اپنے گناہوں کو معاف نہ کرو۔

موتی اور غوطہ خور

مرسلہ: حبیب الحسن عدنان، کراچی

ایک بدنام زمانہ شخص علم و دانش کی باتیں کرنے لگا۔ لوگوں نے اس کی باتوں کا مذاق اُڑایا۔ وہیں سقراط بھی کھڑے تھے۔ انھوں نے لوگوں سے کہا اس کی باتوں کا مذاق مت اُڑاؤ۔ اس شخص کی حیثیت غوطہ خور کی سی ہے۔ غوطہ خور کے ذلیل ہونے سے موتی کی قیمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

وقت اور نیک نامی

مرسلہ: ملک محمد اشرف، گجرات

وقت کی قدر تم کانپتے اور نحیف و نزار بوڑھے سے سیکھو۔ سیکنڈ کی کانپتی اور آگے بڑھتی ہوئی سوئی شاید تمھیں وقت کی قدر کرنا سکھا دے کہ تمھاری قیمتی زندگی کا ایک ایک لمحہ گزرتا جا رہا ہے۔ جس طرح دولت کا صحیح کام میں لگانا اس کے بڑھنے کا موجب بنتا ہے، اسی طرح وقت کا مناسب اور صحیح استعمال ہمیشہ کے لیے نیک نامی مول لینا ہے۔

دل — پتھّر یا گوشت

مرسلہ: محمد طارق جان، مردان

دل بڑی نرم چیز ہے۔ یہ نہ صرف اپنے بلکہ دوسروں کے بھی دکھ محسوس کرتا ہے، مگر آس پاس کے لوگوں کے بنائے

ہوتے اصول ہمیں اتنا سنگ دل بنا دیتے ہیں کہ دل گوشت پوست کی نرم و نازک چیز رہنے کے بجائے پتھر کا ایک ٹکڑا بن کر رہ جاتا ہے، جس میں کوئی جذبہ رہتا ہے نہ کوئی احساس۔ کسی کی دنیا لُٹ جائے، زندگی تباہ ہو جائے، ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔

خطرناک غلطیاں

مرسلہ: شبانہ پروین، کراچی

○ اس خیال میں ہمیشہ مست رہنا کہ مجھے ہمیشہ تن درست، خوب صورت اور تونگر رہنا ہے۔

○ اپنا راز کسی کو بتا کر اس سے پوشیدہ رکھنے کی درخواست کرنا۔

○ ہر انسان کی ظاہری صورت دیکھ کر رائے قائم کرنا۔

○ کسی کام کو چھوڑ کر کسی دوسرے وقت مکمل کرنے کی اُمید رکھنا۔

○ جو کام اپنے سے نہ ہو سکے، اُسے سب کے لیے ناممکن سمجھنا۔

○ لوگوں کی تکلیف میں حصہ نہ لینا اور پھر ان سے ہمدردی کی توقع رکھنا۔

○ بے کاری میں آئندہ کے لیے خیالی پلاؤ پکانا اور خوش رہنا۔

○ اپنے آپ کو تمام انسانوں سے لائق اور زیادہ عقل مند تصوّر کرنا۔

بدگمانی

مرسلہ: نسرین ایوب، کراچی

بدگمانی جسم و جان کی توانائی کو ہی نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ روح کو بھی بے چین اور مضطرب رکھتی ہے۔

دو شعر

مرسلہ: اسد رحمان، ساہیوال

اگر زحمت نہ ہو تو اِک ذرا نیچے اُتر آؤ
بلندی سے قد و قامت کا اندازہ نہیں ہوتا

— اعزاز افضل

دشمنی لاکھ سہی ختم نہ کیجیے رشتہ
دل ملے یا نہ ملے ہاتھ ملاتے رہیے

— ندا فاضلی

زندگی ہی میں پھل

مرسلہ: شیر بہادر افغانی، کراچی

نوشیرواں عادل ایک روز شکار کے لیے جا رہا تھا۔ راستے میں اس نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو اپنے باغ میں ایک پودا لگا رہا تھا۔ بادشاہ نے اپنا گھوڑا روک کر بوڑھے کو اپنے پاس بُلایا اور اس سے سوال کیا، "بابا! کیا تمھیں یقین ہے کہ تم اس پودے کے پھل کھا سکو گے؟"

بوڑھے نے ادب سے جواب دیا، "عالم پناہ! ہم زندگی بھر دوسروں کے لگائے ہوئے درختوں کے پھل کھاتے رہے ہیں۔ اب ہمارے لگائے ہوئے درختوں کے پھل دوسرے کھائیں گے۔"

بوڑھے کی حاضر جوابی سے بادشاہ بے حد خوش ہوا اور اسے سو دینار انعام میں دیے۔ بوڑھے نے جھک کر بادشاہ کو سلام کیا اور کہا، "دیکھا عالی جاہ! میرا لگایا ہوا درخت تو میری زندگی میں ہی پھل لے آیا۔"

بوڑھے کی اس بات پر بادشاہ اور زیادہ خوش ہوا اور ایک سو دینار اور انعام میں دیے۔ بوڑھے نے کہا، "دیکھیے حضور، دوسروں کے لگائے ہوئے درخت تو سال میں صرف ایک ہی بار پھل لاتے ہیں، لیکن میرا لگایا ہوا درخت لگاتے ہی ایک دن میں دو بار پھل لے آیا۔"

بادشاہ کو بوڑھے کی یہ بات بھی بہت پسند آئی۔ چناں چہ اس نے تیسری بار بھی سو دینار بوڑھے کو دیے۔ پس ثابت ہوا کہ نیکی کا پھل ضروری نہیں کہ دیر میں ہی ملے جلدی بھی مل سکتا ہے۔

عجیب دھوکا

مرسلہ: گل خاں نیازی، لانڈھی

باقی دن ہم نے مادام تُساد کی مومی شبیہوں کی گیلری اور ان کا چیمبر آف ہاررز یعنی ایوانِ دہشت دیکھنے میں گزارا۔ یہ بیکر اسٹریٹ میں ہے اور اس میں موت کی سزا پانے والوں کے پتلے رکھے ہیں۔ یہاں عجیب دھوکا ہے۔ اندر داخل ہو کر ہم نے گارڈ کے سپاہی کو ٹکٹ دکھایا تو اس نے توجہ ہی نہ کی۔ معلوم ہوا موم کا ہے۔ اوپر چڑھے تو ایک پتلا بالکل انسان کی صورت میں کھڑا تھا، ہم نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو بولا، "کیا کر رہے ہیں جناب؟"

آئینہ خانہ کی گیلری میں ہم نے ایک صاحب کو دیکھا۔ جس طرف کو ہم جاتے اُسی طرف کو آجاتے۔ آخر ٹکرا گئے۔ ہم نے کہا، سوری، لیکن شیشے کی ٹھنڈک محسوس ہوئی تب معلوم ہوا یہ تو ہم خود ہی تھے۔ ہمارا عکس ہی تھا۔

—— ابنِ انشا

بڑے لوگ

مرسلہ: نسیم فاطمہ، اورنگی

بڑے لوگ اچھی باتوں میں بھی بڑا پہلو تلاش کر لیتے ہیں، جیسے مکھیاں انسان کے تمام خوب صورت جسم کو چھوڑ کر صرف زخم پر ہی بیٹھتی ہے۔

چالان

مرسلہ: محمد اقبال سلیمان بھلا، کراچی

ایک آدمی اپنی کار میں بیٹھا ہوا جا رہا تھا کہ راستے میں اسے ایک پولیس والے نے پکڑ لیا اور کہا، "تمھاری گاڑی کا چالان ہوگا، کیوں کہ تم نے یہاں ہارن بجایا ہے، جب کہ اس راستے پر ہارن بجانا منع ہے۔" اس آدمی نے کہا کہ میں نے ہارن نہیں بجایا۔ دونوں میں بڑی بحث ہوئی۔ آخر اس آدمی کو یاد آیا کہ اس کی کار کا ہارن تو خراب ہے۔ اس نے پولیس کو یہ بات بتائی۔ اس پر پولیس والے نے کہا کہ اب بھی تمھاری گاڑی کا چالان ہوگا، کیوں کہ گاڑی میں ہارن نہ رکھنا بھی جرم ہے۔

آدھا مسلمان

مرسلہ: محمد ضیاء اسلام، کراچی

غدر کے دنوں میں ایک روز کچھ گورے مرزا غالب کے مکان میں گھس آئے اور مرزا کو پکڑ کر اپنے آفیسر کرنل براؤن کے روبرو لے گئے۔ انھوں نے مرزا کی وضع دیکھ کر پوچھا، "ویل ٹم مسلمان؟"

مرزا نے کہا، "آدھا۔"

کرنل نے کہا، "اس کا مٹلب (مطلب)؟" مرزا

بولے، "شراب پیتا ہوں، سُور نہیں کھاتا۔" کرنل یہ سُن کر ہنس پڑا اور انھیں رہا کردیا۔

آسان سوالات

مرسلہ: فرحت حسین جیلانی، کراچی

(۱) وہ کیا چیز ہے جس کے پینے والے کو پہلوان اور بہادر مانا جاتا ہے۔

(۲) میری ملاقات تین عربوں سے ہوئی۔ ان میں سے ایک دوسرے کے بیٹے کا باپ ہے۔ بتائیے ان کا آپس میں کیا رشتہ ہے؟

(۳) ۲۰ رُپے میں ۲۰ کھلونے خریدے جب کہ اونٹ کی قیمت ۴ رُپے، گھوڑے کی ۵۰ پیسے اور بکری کی ۲۵ پیسے تھی۔ بتاؤ کتنے اونٹ کتنے گھوڑے اور کتنی بکریاں خریدیں؟

(۴) ذرا خوب سوچ کر بتائیے کہ اگر ایک گھوڑے کا منھ مشرق کی طرف ہو تو اس کی دُم کا رُخ کس جانب ہوگا؟

(۵) کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں اسلم، ارشد کے پیچھے کھڑا ہو اور ارشد، اسلم کے پیچھے کھڑا ہو؟

جوابات

(۱) غصّہ (۲) میاں بیوی (۳) ۳ اونٹ، ۱۵ گھوڑے ایک بکری (۴) زمین کی طرف (۵) جی ہاں وہ اس طرح کھڑے ہوں کہ ان کی پشتیں آپس میں ملی ہوتی ہوں۔

نماز یا .....

مرسلہ: محمد عمران صدیقی، اسلام آباد

کہتے ہیں کہ نواب مرزا داغ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ کوئی صاحب ملاقات کے لیے تشریف لائے اور داغ کو نماز میں معروف دیکھ کر اُلٹے پیروں واپس چلے گئے۔ داغ نے آہٹ سُن لی تھی۔ سلام پھیر کر ملازم کو دوڑایا کہ دیکھو اور معلوم کرو کہ ابھی کون صاحب تشریف لائے تھے انھیں واپس بُلا لاؤ۔ ملازم نے دوڑ کر ان صاحب کو روکا اور اپنے ساتھ لے آیا۔ داغ نے دریافت کیا، "حضرت، یہ آپ واپس کیوں چلے گئے تھے؟"

ان صاحب نے سادہ لوحی سے جواب دیا، "آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس لیے میں چلا گیا۔"

داغ نے برجستہ کہا، "حضرت، نماز ہی تو پڑھ رہا تھا۔ لاحول تو نہیں۔"

تحفہ

مرسلہ: محمد خالد محبوب خاں، ڈرگ کالونی

۱۸۹۰ء میں سولہ سالہ لوئیس ہمبرجر میری لینڈ (امریکا) کے فارمیسی کالج میں داخل ہوئی، جہاں اس کے انسانی مقناطیسی خواص ظاہر ہوئے۔ طبی معائنے پر پتا چلا کہ یہ خواص اس کی انگلیوں کے پوروں میں پوشیدہ ہیں۔ وہ لوہے کی ایک فُٹ لمبی اور نصف انچ قطر کی سلاخ کو انگلیوں سے چھُو کر اُٹھا لیتی ہے۔ ایک بیکر میں لوہے کا بُرادہ رکھا گیا لوئیس نے بیکر تین انگلیوں سے چھُو کر اُٹھا لیا۔

شعر

مرسلہ: احتشام الدین احمد، کراچی

حیات لے کے چلو کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

جب میکسیکو میں فٹ بال کا میلہ لگا

ارجنٹینا نے مغربی جرمنی کو ہرا کر تاریخ میں دوسری بار ورلڈ کپ کا اعزاز حاصل کرلیا

ساجد علی ساجد

ایک سال پہلے میکسیکو کا نام اس لیے اخبارات میں آیا تھا کہ وہاں ایک خوف ناک زلزلہ آیا تھا، جس کے نتیجے میں زبردست تباہی مچی تھی اور ہزاروں افراد ہلاک ہو گئے تھے، مگر آج لوگ میکسیکو کو اس لیے جانتے ہیں کہ وہاں پچھلے دنوں فٹ بال کا عالمی مقابلہ ہوا جس کو ٹیلے وژن سیٹ کے ذریعے سے ساری دنیا نے دیکھا۔ آج ہم نونہالوں کو فٹ بال کے اس تیرھویں ورلڈ کپ کی خاص خاص باتیں بتانا چاہتے ہیں۔

تقریباً دو سال پہلے دنیا کے ۱۲۱ ملکوں نے یہ کوششیں شروع کیں کہ کسی طرح اُن کے پَر لگ جائیں اور وہ میکسیکو ورلڈ کپ کے فائنل راؤنڈ میں پہنچ جائیں، مگر ان میں صرف ۲۴ ٹیمیں ایسی تھیں جو ورلڈ کپ کے فائنل راؤنڈ میں پہنچیں۔ وہ ٹیمیں یہ تھیں: ارجنٹینا، جرمنی، فرانس، بیلجیم، برازیل، میکسیکو، اسپین، انگلستان، اٹلی، سوویت یونین، ڈنمارک، یوراگوئے، پیراگوئے، مراکش، بلغاریہ، پولینڈ، الجزائر، عراق، جنوبی کوریا، کینیڈا، ہنگری، شمالی آئرلینڈ، اسکاٹ لینڈ اور پرتگال۔ ان میں سے آخری آٹھ ٹیمیں پہلے راؤنڈ میں ہی اپنے اپنے گروپ میں ہار کر فارغ ہو گئیں۔ یہ کم نصیب ٹیمیں جنوبی کوریا، عراق، کینیڈا، ہنگری، شمالی آئرلینڈ، اسکاٹ لینڈ، پرتگال اور الجزائر کی تھیں۔ دوسرا راؤنڈ ناک آؤٹ کی بنیاد پر کھیلا گیا۔ اس راؤنڈ میں جو ٹیمیں ہار کر وطن واپس چلی گئیں وہ اٹلی، سوویت یونین، ڈنمارک، پولینڈ، یوراگوئے، پیراگوئے، مراکش اور بلغاریہ کی تھیں۔ پھر چار کوارٹر فائنل کھیلے گئے، جن میں سے تین کا فیصلہ پنالٹی کک کی بنیاد پر ہوا، جس کا طریق کار یہ تھا کہ نوّے منٹ کا مقررہ وقت ختم ہونے کے بعد نصف گھنٹے کا فاضل وقت دیا جاتا تھا، اگر اس میں بھی فیصلہ نہ ہو تو پھر دونوں ٹیموں کے پانچ پانچ کھلاڑی پنالٹی کک مارتے تھے اور جس ٹیم کے زیادہ کھلاڑی گول کر لیتے تھے وہ جیت جاتی تھی۔

پنالٹی کک کے ذریعے سے جرمنی نے میکسیکو کو ۱-۴ سے شکست دی۔ فرانس نے برازیل

کی پسندیدہ ٹیم کو زبردست مقابلے کے بعد ۴-۵ سے ہرا دیا۔ بیلجیم نے اسپین کو ۴-۵ سے ہرا دیا۔ تاہم پنالٹی کک کے بغیر سب سے واضح کام یابی ارجنٹینا کو حاصل ہوئی، جس نے انگلستان کو دو گول سے ہرا دیا۔ ارجنٹینا اور انگلستان چوں کہ فاکلینڈ کے تنازعے پر ایک جنگ لڑ چکے ہیں، اس لیے دونوں کے درمیان مقابلے کو سیاسی اہمیت بھی دی گئی۔ ارجنٹینا کی کام یابی کے ہیرو میراڈونا تھے، جن کو بلاشبہ "پلیئر آف دی ٹورنامنٹ" یعنی ورلڈ کپ مقابلوں کا سب سے ممتاز کھلاڑی قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد جرمنی، فرانس، ارجنٹینا اور بیلجیم کی ٹیمیں سیمی فائنل میں پہنچیں، جہاں جرمنی نے فرانس کو ایک گول سے ہرا دیا، جب کہ ارجنٹینا نے بیلجیم کو دو گول سے شکست دے دی۔ اس طرح ارجنٹینا اور جرمنی کی ٹیمیں فائنل میں پہنچ گئیں۔ فرانس اور بیلجیم کے درمیان تیسری پوزیشن کے لیے مقابلہ ہوا، جس میں فرانس نے فاضل وقت میں بیلجیم کو ۲-۴ سے ہرا کر تیسری پوزیشن حاصل کر لی۔

فائنل کھیل

ورلڈ کپ ۳۱- مئی کو شروع ہوا تھا اور اس کا فائنل ۲۹- جون کو میکسیکو کے آزٹیک اسٹیڈیم میں کھیلا گیا۔ اس موقع پر اسٹیڈیم ایک لاکھ چودہ ہزار تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جیسا کہ توقع تھی ارجنٹینا نے پہلے دو گول کی برتری حاصل کر لی۔ یہ گول جے براؤن اور ولڈانو نے کیے، مگر مغربی جرمنی کے رومینیگا اور وولر نے گول برابر کر کے سنسنی پھیلا دی، مگر پھر ارجنٹینا کے بروکگا نے فیصلہ کُن گول کر دیا۔ مغربی جرمنی کی ٹیم پانچویں مرتبہ ورلڈ کپ کے فائنل میں پہنچی تھی، جب کہ ارجنٹینا نے اس مرتبہ دوسری بار ورلڈ کپ جیتا۔ اس سے پہلے ۱۹۷۸ء کا ورلڈ کپ ارجنٹینا نے اپنی میزبانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جیتا تھا۔ ارجنٹینا کی کام یابی سے یہ ریکارڈ اپنی جگہ باقی رہا کہ آج تک جنوبی امریکا کی سرزمین پر کوئی یورپی ٹیم کبھی نہیں جیتی۔

تیرھویں ورلڈ کپ کے ۵۲ میچوں کو بیس لاکھ سے زیادہ تماشائیوں نے دیکھا جو بجائے خود ایک ریکارڈ ہے۔ یہ میچ میکسیکو کے نو شہروں میں کھیلے گئے۔ دوسرے راؤنڈ تک ڈنمارک کے ایلکاجار اٹلی کے ایلٹو بیلی اور سوویت یونین کے آئیگور بیلونوف نے سب سے زیادہ، یعنی چار چار گول کیے تھے، مگر ان تینوں کی ٹیمیں دوسرے راؤنڈ میں ورلڈ کپ سے خارج ہو گئیں۔

پھر جب کوارٹر فائنل کھیلے گئے تو انگلستان کے گیری لنکر، اسپین کے ایمیلو بٹراگینو اور

برازیل کے اوبیویرا کبریکا پانچ پانچ گول کے ساتھ گول کرنے والوں میں سرفہرست تھے، مگر پھر ہوا یہ کہ ان کی ٹیمیں بھی ہارنے کے بعد ورلڈ کپ سے خارج ہو گئیں، چناں چہ میکسیکو میں جن کھلاڑیوں نے سب سے زیادہ گول کیے ان کی ٹیمیں وقت سے پہلے ہی مقابلوں سے نکل گئیں۔ صرف ارجنٹینا کے جورگ والڈانو اور میراڈونا ایسے تھے جو آخر تک کھیلتے رہے۔

سرخ کارڈ : کولمبیا کے ریفری جیسس ڈیاز نے اپنا کارڈ خود قائم کیا۔ پہلے راؤنڈ میں انھوں نے عراق کے بیسل گورجیز کو سرخ کارڈ دکھا کر میدان سے باہر بھیجا۔ پھر کوارٹر فائنل میں انھوں نے مغربی جرمنی کے تھامس برٹ ہولڈ اور میکسیکو کے جیویر اگیرے کو سرخ کارڈ دکھا کر گراؤنڈ سے باہر نکالا۔ اس طرح وہ تین کھلاڑیوں کو گراؤنڈ سے باہر نکالنے کا ریکارڈ قائم کر گئے۔ کُل آٹھ کھلاڑیوں کو تیرھویں ورلڈ کپ کے دوران گراؤنڈ سے نکالا گیا۔

پیلا کارڈ : فٹ بال میں پیلا کارڈ دکھانے کا مطلب کھلاڑیوں کو وارننگ دینا ہوتا ہے۔ ۵۲ میچوں میں ریفریوں نے ۱۳۰ کھلاڑیوں کو وارننگ دی جو بجائے خود ایک ریکارڈ ہے۔ سب سے زیادہ یعنی گیارہ پیلے کارڈ یوراگوئے کے کھلاڑیوں کو دکھائے گئے، جن کے بعد میکسیکو (۱۰) اور عراق (۹) کا نمبر آتا ہے۔

پینالٹی : تین کوارٹر فائنلز کا فیصلہ پینالٹی کک کے ذریعہ سے ہوا۔ کوارٹر فائنل کے اصل اوقات میں صرف ایک پینالٹی برازیل کو ملی جو اس کے کھلاڑی زیکو نے ضائع کر دی اور آخر یہی غلطی ورلڈ کپ سے برازیل کے اخراج کا باعث بنی۔

گول : ۵۲ میچوں کے دوران ۱۲۸ گول ہوئے۔ اس طرح اوسطاً فی میچ دو اعشاریہ ۴۳ گول ہوئے۔

اسکورز : انگلستان کے گیری لنکر چھے گول کر کے ورلڈ کپ میں سب سے زیادہ گول کرنے والے کھلاڑی بن گئے۔ ارجنٹینا کے میراڈونا، جو دنیا کے بہترین فٹ بالر سمجھے جاتے ہیں پانچ گول کر کے دوسرے نمبر پر رہے۔ واضح رہے کہ میراڈونا جنھوں نے ارجنٹینا کو کامیابی دلانے میں اہم کردار ادا کیا ہے پیشہ ور کھلاڑی کی حیثیت سے فرانس میں کھیلتے ہیں جہاں انھیں دس لاکھ ڈالر سالانہ معاوضہ ملتا ہے۔

زمین کے متعلق جدید معلومات

ہمارے نونہال "ہمدرد انسائکلوپیڈیا" میں زمین کے متعلق مختلف سوالات پوچھتے رہتے ہیں۔ ہم نے کئی اہم سوالات کے جوابات اس مضمون میں دینے کی کوشش کی ہے۔ اس میں زمین کو اعداد و شمار کے ذریعے سے پیش کیا گیا ہے۔

یہ خلائی دَور ہے۔ دوسرے سیّاروں اور سِتاروں پر برابر تحقیقات ہوتی رہتی ہیں، لیکن کچھ سائنس داں ایسے ہیں جو خلا کے بجائے اپنی زمین پر ہی تحقیقات کرتے رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ابھی زمین کے متعلق بھی بہت کچھ جاننا باقی ہے۔ انھوں نے حساب لگایا ہے کہ زمین کا وزن ٹنوں میں ظاہر کیا جائے تو ۶ کے بعد اکیس صفر لگانے پڑیں گے۔

زمین کی سطح کا رقبہ ۱۹ کروڑ ۶۸ لاکھ ۳۶ ہزار مُربّع میل ہے، جس میں ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ مُربع میل خشکی ہے اور ۱۴ کروڑ ۱۰ لاکھ مربع میل پر سمندر چھائے ہوئے ہیں یعنی تری کا رقبہ خشکی کے مقابلے میں تقریباً ڈھائی گنا ہے۔ اگر خطِ اُستوا سے زمین کے اندر سے ایک خط گزارا جائے تو اُس کی لمبائی ۷۹۲۶ میل ہو گی۔ یہ ہے زمین کا قُطر، لیکن قُطبین (ایک قطب سے دوسرے قطب) کو ملانے والے خط کی لمبائی ۷۹۰۰ میل ہو گی۔ زمین اپنے قُطبین پر نارنگی کی طرح قدرے چپٹی ہے۔

خطِ استوا پر زمین کا گھیر ۲۴ ہزار ۹۰۲ میل ہے۔ قُطبین پر یہ لمبائی ۲۴ ہزار ۸۶۰ میل رہ جاتی ہے۔ اگر خطِ استوا پر کوئی مقام فرض کر لیا جائے تو زمین کے اپنے محور پر گھومنے کی وجہ سے اُس کے گھومنے کی رفتار ایک ہزار میل فی گھنٹہ سے زیادہ ہو گی۔ زمین سورج کے چاروں طرف ۶۶ ہزار چھے سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے، یعنی تقریباً ۱/۲ ۱۹ میل فی سیکنڈ۔ اس رفتار کی تیزی کا اندازہ آپ اس طرح کر سکتے ہیں کہ رائفل کی گولی کی رفتار صرف نصف میل فی سیکنڈ ہوتی ہے۔

سورج سے زمین کا اوسط فاصلہ ۹ کروڑ تیس لاکھ میل رہتا ہے۔ چاند ہم سے تقریباً دو لاکھ

۳۹ ہزار میل دور ہے۔ چاند کا قطر زمین کے قطر کا تقریباً ایک چوتھائی ہے۔

دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ، تبّت اور نیپال کے درمیان واقع ہے۔ اس کے برعکس سمندر کی زیادہ سے زیادہ گہرائی ۳۵ ہزار ۱۰۰ فیٹ ہے۔ یہ جگہ جزائرِ فلپین کے قریب بحرالکاہل میں ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ گرین لینڈ ہے، جس کا رقبہ ۸ لاکھ ۴۷ ہزار تین سو مربع میل ہے۔ شاید آپ کہیں کہ اوسٹریلیا گرین لینڈ سے بھی بڑا ہے، لیکن اوسٹریلیا کا شمار براعظموں میں ہوتا ہے، جزیروں میں نہیں۔

دنیا کا سب سے لمبا دریا مسوری مسی سپی ہے۔ اس کی لمبائی ۴ ہزار پانچ سو دو میل ہے۔ کبھی کبھی یہ دو دریا سمجھے جاتے ہیں اور امیزان اوّل آجاتا ہے جس کی لمبائی تین ہزار نو سو میل ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا آتش فشاں پہاڑ سجاما ہے جو بولیویا (جنوبی امریکا) میں واقع ہے۔ وہ سطحِ سمندر سے اکیس ہزار فیٹ کی بلندی پر ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا سمندر بحرالکاہل ہے، جس کا رقبہ ۶ کروڑ ۳۹ لاکھ ۸۶ ہزار مربع میل ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا پل، زیریس زمبیزی (افریقہ) پر بنایا گیا ہے۔ اس کی لمبائی تین ہزار فیٹ ہے۔

دنیا کا سب سے خشک اور گرم علاقہ دریائے نیل کے پہلے اور دوسرے آبشار کے درمیان واقع ہے۔ یہاں کبھی بارش نہیں ہوتی۔ سب سے زیادہ بارش چیراپونجی (صوبۂ آسام، بھارت) میں ہوتی ہے۔ وہاں ہر سال تقریباً پانچ سو انچ پانی برستا ہے۔

زمین کی عمر چار سے پانچ ارب سال بتائی جاتی ہے۔ اس کی کثافت پانی کے مقابلے میں پانچ گنی ہے۔ زمین کی کُل آبادی چار ارب کے قریب ہے۔ ہماری زمین ایک دن ختم ہو جائے گی۔ وہی قیامت کا دن ہوگا۔

عبادت اور اطاعت

ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! میں نماز پڑھتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں، زکوٰۃ دیتا ہوں، مجھے کیا اجر ملے گا؟ حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ تُو قیامت میں نبیوں، صدیقوں، اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، بشرطے کہ تُو ماں باپ کا نافرمان نہ ہو۔

مرسلہ: فضل محمود، ناظم آباد

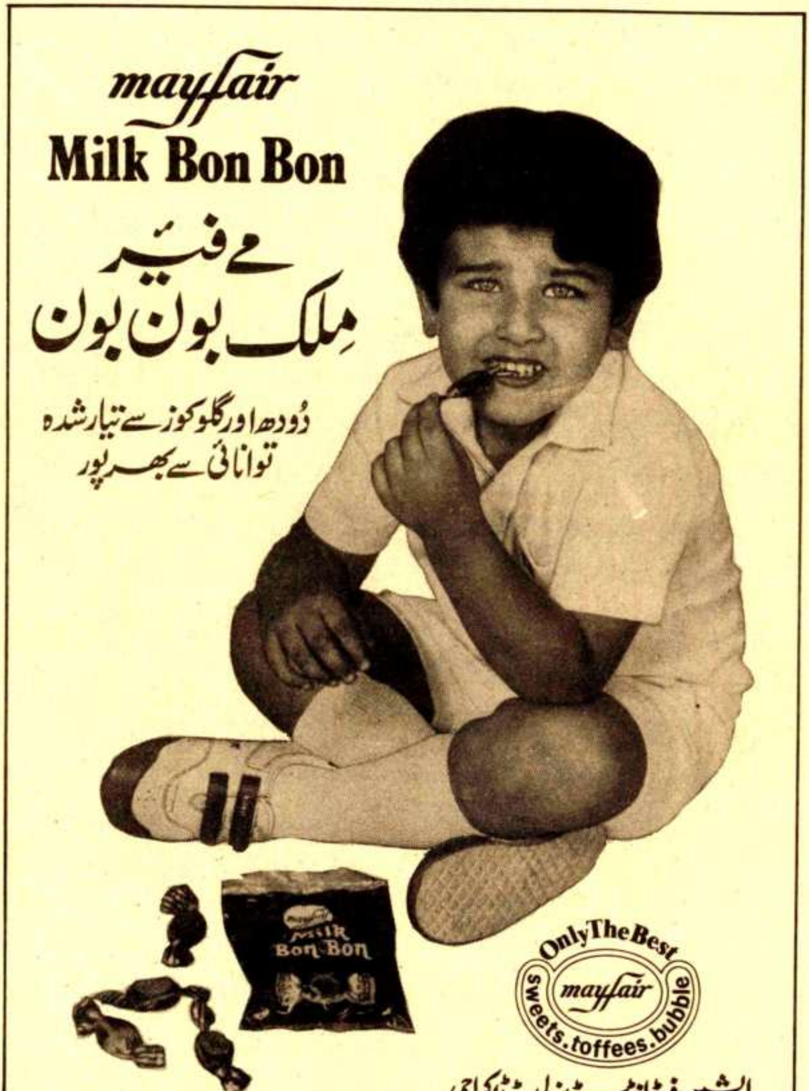
mayfair
Milk Bon Bon
مے فیئر
مِلک بون بون
دُودھ اور گلوکوز سے تیار شدہ
توانائی سے بھرپور
Milk Bon Bon
Only The Best
mayfair
sweets.toffees.bubble
ایشین فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی

Adarts

خیر دین کا لالو

میرزا ادیب

لالو کسی انسان کا نہیں ایک گدھے کا نام تھا جو قصبے کے ایک چھوٹے سے دُکان دار خیر دین کی ملکیت تھا۔ کافی دن پہلے خیر دین نے اسے ایک قریبی گاؤں میں جاکر خریدا تھا اور اس وقت سے لے کر اب تک وہ اُسی کے پاس تھا۔ خیر دین کی بیوی ریشماں بھی لالو کا بڑا خیال رکھتی تھی۔ دونوں میاں بیوی لالو کو بہت چاہتے تھے۔ اس چاہت کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اولاد سے محروم تھے اور لالو سے پیار کر کے سمجھ لیتے تھے کہ وہ اپنے بچّے سے پیار کر رہے ہیں۔

خیر دین دن کا زیادہ حصّہ اپنی دُکان پر ہی گزارتا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں ریشماں لالو کی خوراک کا بندوبست کرتی تھی اور اس کا پیٹ بھرنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے آزاد چھوڑ دیتی تھی۔ لالو سیر و تفریح کر کے واپس آجاتا تھا۔ وہ اپنے گھر میں بڑا خوش رہتا تھا۔

جمعہ کو خیر دین دُکان بند رکھتا تھا۔ اس روز اپنے لالو کو لے کر آبادی سے دُور نکل جاتا تھا۔ جی چاہتا تو لالو پر سوار ہو جاتا ورنہ دونوں یونہی اِدھر اُدھر گھوم پھر کر واپس گھر چلے جاتے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ خیر دین آبادی سے دُور لالو پر سوار چلا جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ نور دین جس کا شمار قصبے کے مال دار زمیں داروں میں ہوتا تھا، اپنے گھوڑے پر بیٹھا چلا جا رہا تھا۔ خیر دین نے اسے سلام کیا۔ نور دین نے سلام کا جواب دے کر اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ اس کی اس حرکت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ خیر دین سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ خیر دین نے بھی لالو کو روک لیا۔

نور دین ہنس کر بولا، "واہ وا کیا کہنے اس ترکی گھوڑے کے۔ دوست تم تو بڑے خوش قسمت ہو کہ ایسے شان دار گھوڑے پر سواری کرتے ہو۔"

خیر دین کو اس کی بات بڑی لگی تاہم وہ جھگڑا کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ کہنے لگا، "سرکار میرے لیے یہی ترکی گھوڑا ہے۔"

اب کے نور دین سنجیدگی سے بولا، "بڑے احمق ہو۔ سب لوگ تمھارا مذاق اڑاتے ہیں۔ میاں،

سواری کرنا ہے تو کوئی گھوڑا خرید و۔ سب تم پر قہقہے لگاتے ہیں۔ تمھیں اس کی خبر نہیں ہے ؟"

خیر دین نے ایسی بات پہلی بار سُنی تھی۔ پوچھنے لگا، " زمیں دار جی! واقعی لوگ مجھ پر ہنستے ہیں ؟"

"کیوں نہیں۔ تم کام ہی ایسا کرتے ہو۔ لوگ کیوں نہ ہنسیں؟ تمھیں پاگل سمجھتے ہیں۔ میری سنو۔ سواری کا شوق ہے تو کہیں سے گھوڑا خرید لو، میں ہر طرح تمھاری مدد کروں گا۔ یاد رکھو آدمی گھوڑے پر سوار ہو تو اس کی بڑی عزت ہوتی ہے۔" یہ کہہ کر نور دین نے ایڑ لگائی اور درختوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

خیر دین وہیں کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ وہ پہلی مرتبہ حیران و پریشان ہوا تھا۔ گھر پہنچا تو بیوی کو سارا واقعہ سُنا کر بولا، "ریشماں، لوگ میرا مذاق اُڑاتے ہیں۔ مجھ پر قہقہہ لگاتے ہیں۔"

ریشماں نے کہا، "مذاق اڑاتے ہیں تو اُڑاتے رہیں۔ ہمیں کسی کی کیا پروا۔ ہمارا لالو کسی تُرکی گھوڑے سے کم نہیں۔"

"نہیں ریشماں، ہمیں دوسروں کی پروا کرنی چاہیے۔"

"خیرو! کیا پاگل ہو گئے ہو۔ کیا ہم خوش نہیں ہیں۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے پاس۔ یہ لالو ہماری اپنی اولاد کی طرح ہے۔ تم بدھو بن کر اس کی بات سنتے رہے۔ میں ہوتی تو اس سے کہتی، زمیں دار جی! آپ کو اپنا گھوڑا مبارک اور ہمیں اپنا گدھا۔"

خیر دین کا چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ اُسے بیوی کی بات پسند نہیں آئی اور زمیں دار نور دین کے الفاظ اس کے دل میں چُبھ رہے ہیں۔

رات کے وقت بھی اس کی یہی کیفیت رہی۔ صبح ہوئی تو اس نے دُکان کھولی اور گاہکوں سے نپٹنے لگا، مگر بے دلی کے ساتھ۔ نور دین کے الفاظ اس کے ذہن میں برابر گونجتے رہے۔

بارہ بجے تک تو وہ مجبوری کی حالت میں دُکان میں بیٹھا رہا۔ پھر وہ نہ بیٹھ سکا۔ دُکان بند کی اور سیدھا نور دین کی حویلی میں جا پہنچا۔ نور دین نے پوچھا، "کیوں خیر دین! کیا معاملہ ہے۔ کچھ پریشان دکھائی دیتے ہو۔"

خیر دین بولا، " زمیں دار جی! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ سواری گھوڑے کی ہی کرنی چاہیے۔"

"بالکل ٹھیک۔" نور دین خوش ہو کر کہنے لگا، " شکر ہے تم نے بات سمجھ لی ہے۔ گھوڑے پر

سواری کرو گے تو لوگوں پر رعب ہو گا۔ سب تمھاری عزّت کریں گے۔"

"مگر زمیں دار جی! میں گھوڑا لاؤں کہاں سے؟"

زمیں دار سوچنے لگا۔ سوچ کر بولا، "خیر دین! تمھارا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ دیکھو۔ یوں کرو۔ یہ گدھا اور پانچ سو رُپے کی رقم مجھے دے دو اور میرا یہی گھوڑا لے جاؤ۔ کیا یاد کرو گے کہ کسی رحم دل زمیں دار سے واسطہ پڑا تھا۔"

"سچ زمیں دار جی؟" خیر دین کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"بالکل سچ۔ میرے لیے کوئی مشکل نہیں۔ نیا گھوڑا لے آؤں گا۔ جلدی کرو۔"

"اچھا زمیں دار جی۔"

خیر دین گھر آ گیا۔

"کدھر گئے تھے۔ دُکان کیوں بند کر دی تھی؟" ریشماں نے پوچھا۔

خیر دین نے کوئی بہانہ کر دیا۔ بیوی کو کچھ نہ بتایا۔

خیر دین اپنے گدھے پر سوار ہو کر سڑک سے گزر رہا تھا کہ اس کی نور دین سے ملاقات ہوئی۔

خیر دین کے پاس تو رقم نہیں تھی۔ اس کی بیوی ہر مہینے تھوڑی سی رقم جمع کرتی تھی۔ خیر دین جانتا تھا کہ یہ رقم اس نے کہاں رکھی ہوئی ہے۔ رات کے وقت جب اس کی بیوی گہری نیند سو رہی تھی۔ وہ اس جگہ گیا جہاں ریشماں نے گھڑے کے اندر نوٹ جمع کر رکھے تھے۔ گھڑا نوٹوں سے آدھا بھر چکا تھا۔ اس نے ہاتھ ڈال کر ڈھیر سارے نوٹ نکالے۔ انھیں گِنا تو چھے سو کی رقم تھی۔ سو کے نوٹ اُس نے واپس گھڑے میں رکھ دیے اور باقی نوٹ ایک رومال میں باندھ کر کُرتے کی اندرونی جیب میں رکھ لیے۔

صبح ہوئی۔ خیر دین نے اس وقت بھی بیوی سے ایک لفظ تک نہ کہا۔ چپ چاپ روٹی کھائی باہر آیا اور لالو کو ساتھ لے کر زمین دار نور دین کے ہاں پہنچ گیا۔

زمین دار خوش ہو گیا۔ رقم جیب میں ڈالی۔ لالو اپنے نوکر کے حوالے کیا اور خیر دین سے کہا، "خیر دین! گھر جاؤ، دوپہر کو میرا نوکر گھوڑا وہاں پہنچا دے گا۔"

واپسی پر خیر دین دُکان پر چلا گیا۔ اسے گھر جانے کی بڑی فکر تھی۔ جب دوپہر ہوئی تو وہ گھر روانہ ہو گیا۔

ریشماں دروازے پر کھڑی تھی اور گھر کے سامنے گھوڑا بندھا تھا۔ جیسے ہی ریشماں کی نظر خیر دین پر پڑی۔ غصّے سے بولی: "خیر دین! یہ تُو نے کیا کر دیا ہے؟"

"میں نے بالکل ٹھیک کیا ہے ریشماں۔"

ریشماں دروازے سے باہر نکل آئی، "ہائے ہمارا لالو۔ کہاں ہے وہ اور یہ گھوڑا کہاں سے آ گیا ہے۔" خیر دین نے صبر سے کام لیا جب ریشماں گھر کے اندر آ گئی تو اس نے ساری بات سُنا دی۔

"پانچ سو رُپے دے آئے ہو اور لالو بھی۔ ہائے اللہ یہ سننے سے پہلے میں مر کیوں نہ گئی۔"

ریشماں نے سر پیٹ لیا۔ دونوں میں سخت لڑائی ہوئی، لیکن ہمسایوں نے آ کر ان کو خاموش کرا دیا۔ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

گھر میں اگرچہ سکون پیدا ہو گیا تھا تاہم ریشماں ہر وقت غمگین رہتی تھی۔ اسے رقم کے کھو جانے کا بھی غم تھا، مگر زیادہ غم لالو کے چلے جانے کا تھا۔

جمعہ کے روز خیر دین نے چاہا کہ گھوڑے پر سواری کرے۔ گھوڑے پر بیٹھنے کو تو بیٹھ گیا اور ہاتھ میں اس کی لگام بھی پکڑ لی، لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے بعد کیا کرے۔ کئی ہمسائے اس

کے اِرد گرد جمع ہو گئے تھے جو اسے ہدایات دے رہے تھے۔ ان ہدایات پر اُس نے عمل کیا۔
گھوڑا آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ اس وقت خیر دین دیکھ رہا تھا کہ لوگ اسے حیرت سے تک رہے ہیں۔
اس سے اسے بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ فخر سے اس کی گردن اکڑی ہوئی تھی۔
"آج میں بڑا آدمی ہوں۔" اس نے سوچا اور غرور سے بھری ہوئی نگاہیں لوگوں پر ڈالیں۔

گھوڑا چلا جا رہا تھا۔ ناگاہ باجوں کی آواز آئی۔ قریب ہی کوئی برات جا رہی تھی۔ گھوڑا بدک گیا۔ بھاگنے لگا۔ خیر دین کو کیا خبر تھی کہ ایسی حالت میں گھوڑے کو کیسے سنبھالا جاتا ہے۔ وہ کچھ بھی نہ کر سکا اور تھوڑی دُور جا کر گھوڑا اس طرح اُچھلا کہ وہ گھوڑے کی پیٹھ سے کئی فیٹ دُور زمین پر گر پڑا۔ لوگ بھاگے اور اسے زخمی حالت میں گھر لے آئے۔

اس کا سر پھٹ گیا تھا۔ بازوؤں اور ٹانگوں سے لہو بہ رہا تھا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر بلوایا گیا۔ جس نے زخموں پر پٹیاں باندھ دیں اور کھانے کے لیے دوا بھی دی۔ خدا خدا کر کے شام کے قریب اس کے ہوش بحال ہوئے۔

ریشماں نے خیر دین کو خوش خبری سنائی: "ہمارا لالو ہمارے گھر واپس آ گیا ہے۔"

"گھوڑا کہاں ہے؟" اس نے ہوش میں آتے ہی پہلا سوال کیا۔

ریشماں کو غصّہ تو بڑا آیا کہ خدا کا شکر ادا کرنے کے بجائے منحوس گھوڑے کا پوچھ رہے ہیں مگر اس نے صبر و تحمّل کیا اور نرمی سے جواب دیا:

"گھوڑا باہر بندھا ہے۔"

دو ہفتوں کے بعد کہیں جا کر وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا۔ اپنے شوہر کو صحت یاب دیکھ کر ریشماں بڑے پیار سے کہنے لگی:

"خیر دین! چکھ لیا بڑے آدمی بننے کا مزہ۔ ہم کتنے خوش تھے۔ ہمارا لالو کتنا پیارا تھا۔ اُسے دیکھ دیکھ کر کتنی خوش ہوتی تھی۔ تم نے ناشکری کی۔ اللّٰہ کا احسان بھول گئے اور نتیجہ دیکھ لیا۔ قناعت انسان کے لیے ایک بڑی نعمت ہے۔"

خیر دین پر بیوی کی باتوں کا گہرا اثر ہوا۔ اُسے احساس ہونے لگا کہ اس نے جان بوجھ کر خود کو نقصان پہنچایا ہے۔ بیوی سے کہنے لگا، "ریشماں! گھوڑے کا خیال رکھو۔ دو چار دن میں اسے ساتھ لے کر زمیں دار کے پاس جاؤں گا۔ رقم نہیں مانگوں گا۔ کہوں گا،" زمیں دار جی! اپنا گھوڑا لے لیں اور میرا لالو مجھے دے دیں۔"

ریشماں خوش ہو گئی۔

خیر دین نے زمیں دار کے پاس جا کر جو کچھ سوچ کر آیا تھا کہہ دیا اور گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

زمیں دار بولا، "تم گھوڑے کے قابل نہیں تھے یہ میں نے نہیں سوچا تھا، مگر تمہارا گدھا تو میں نے فیروز دھوبی کو دے دیا تھا۔ اس سے جا کر لے لو۔ میں نے اسے مفت دیا تھا وہ پیسے مانگے تو دے دینا۔"

خیر دین فیروز دھوبی کے ہاں گیا۔

"دوست فیروز، میرا لالو مجھے دے دو۔ بڑی مہربانی ہوگی۔ جتنی رقم مانگو گے دے دوں گا۔"

فیروز نے کہا، "وہ تو خیر کوئی بات نہیں۔ میں خوشی سے تمھیں تمہارا گدھا دے دیتا، لیکن مجبور ہوں۔ ایک دن بشیر پہلوان کا بیٹا نذیر آیا تھا۔ وہ لے گیا۔ اس کے پاس جاؤ۔"

خیر دن بشیر پہلوان کے گھر پہنچا۔ پہلوان ملا تو خیر دین عاجزی سے کہنے لگا، "پہلوان جی! آپ

کا بڑا احسان ہو گا۔ میرا لالو مجھے دے دیں۔"

"اچھا تو وہ گدھا تمہارا ہے جو نذیر فیروز دھوبی کے گھر سے لے آیا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"لے جاؤ۔ نذیر سے بات کر لو۔"

نذیر وہیں آ گیا۔ اس نے لالو دینے سے صاف انکار کر دیا۔

"نذیر ہی نہیں مانتا میں کیا کر سکتا ہوں۔" پہلوان بولا۔

گھر آ کر خیر دین نے سارا قصہ بیوی کو سُنا دیا۔

"اب کیا ہو سکتا ہے۔ غلطی کی ہے تو اب پچھتاؤ۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔"

کئی دن گزر گئے۔ خیر دین اور ریشماں بڑے اُداس تھے۔

ایک صبح خیر دین سو کر اُٹھا اور اس کی نظر دروازے پر گئی تو یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ لالو دروازے کے باہر اپنی جگہ پر موجود ہے۔ ایک قہقہہ بلند ہوا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ ریشماں ہنس رہی تھی۔

"ریشماں! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

"تُو اپنے لالو کو دیکھ رہا ہے۔"

"یہ کیسے آ گیا؟"

"بتاتی ہوں۔ اپنے خان صاحب کو جانتے ہو نا۔ بڑے شکاری ہیں۔ میں ان کے پاس گئی اور کہا کہ پہلوان بشیر کا بیٹا نذیر ہمارا لالو نہیں دیتا۔ خان صاحب نے اسی وقت نذیر کو بُلایا اور کہا" نذیر بیٹا! تم ان کا گدھا دے دو۔ میں اس کے بدلے میں تمھیں ہرن دوں گا۔ نذیر خوش ہو گیا اور لالو دینے پر رضامند ہو گیا۔ رات کو نذیر خود لالو یہاں چھوڑ گیا۔ تم اس وقت سو رہے تھے۔"

خیر دین کہنے لگا،" ریشماں! تم نے کمال کر دیا ہے۔"

ریشماں بولی:

"اب تم کوئی ایسا کمال نہ کرنا جیسا کر چکے ہو۔" اور خیر دین نے کہا،" توبہ کرو، اب تو میں ایسا کبھی سوچوں گا بھی نہیں۔"

خاص نمبر خاص نمبر خاص نمبر

ہمدرد نونہال

ستمبر ۱۹۸۶ء

بہترین رسالے کا بہترین نمبر

★ دل چسپ و عجیب کہانیاں ★ سائنس اور معلومات ★ دل کش اور عجیب خبریں ★ معراج کی ۳ تازہ کہانیاں ★ جستجو سے پُر ایک طویل سائنسی کہانی ★ میرزا ادیب کی ایک عمدہ کہانی ★ آسان مذہبی و تاریخی مضامین ★ مزے دار اور بہت سے لطیفے ★ بلاعنوان کہانی ★ ایک نئی ناول کی پہلی قسط ★ حکیم محمد سعید کی مزے دار باتیں ★ تحفے۔ نئے اور زیادہ ★ کارٹون ★ سدا بہار قصّے ★ علی اسد کی ایک جاسوسی کہانی، خاصی لمبی ★ مسعود احمد برکاتی کی تین نئی تحریریں۔ ★ بزرگوں کی یادیں ★ غیر انعامی سوالات

• دوسرے مُستقل عنوانات بھی •

خاص تحفہ: ایک حسین و رنگین آٹوگراف بُک خاص نمبر کے ساتھ بلا قیمت

اس خاص نمبر کی قیمت بھی خاص یعنی پچھلے خاص نمبروں سے بھی کم۔ صرف ۷ رُپے

اپنے اخبار والے سے ایک کاپی اپنے لیے اور ایک اپنے دوست کے لیے ابھی سے محفوظ کرا لیجیے

شاید رسالہ بازار میں آنے کے بعد موقع نہ ملے

ایجنٹ حضرات بھی اپنے آرڈر جلد بھیج دیں

ناظم ہمدرد نونہال، ہمدرد سنٹر، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۱۸

ایک اندھا اور ایک لنگڑا

ڈاکٹر شمیم حنفی

ایک روز یوگنڈا کے ایک گاؤں گومبا کے لوگ اپنے پڑوسی گاؤں کے لوگوں سے لڑ رہے تھے۔ پڑوسی گاؤں والے زیادہ مضبوط تھے۔ گنتی میں بھی زیادہ تھے۔ گومبا والوں کی حالت خراب ہو گئی۔ سب کے سب ڈر سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ سوچ رہے تھے، "اب اس گاؤں میں شاید ہی کوئی زندہ بچ سکے!"

ان لوگوں میں سب سے بُرا حال دو آدمیوں کا تھا۔ ان میں ایک لنگڑا تھا، دوسرا اندھا۔ دونوں مجبور تھے۔ ایک پاؤں سے، دوسرا آنکھوں سے۔

لنگڑا اندھے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کی مدد سے راستہ طے کرنے لگے۔

لڑائی کا ہنگامہ بڑھا تو گاؤں والے سب کے سب اپنے بچاؤ کی فکر میں لگ گئے۔ کسی کو نہ تو لنگڑے کا خیال نہ اندھے کا خیال اور تو اور اُن دونوں کے بال بچّے بھی انھیں بھول بیٹھے تھے۔

لنگڑے میاں اپنے گھر کے سامنے چارپائی پر پڑے سارا تماشا دیکھ رہے تھے۔ لوگ شور مچاتے بھاگتے جاتے۔ اتنے میں لنگڑے میاں کو اندھے میاں نظر آئے۔ اپنی لاٹھی ٹیکتے وہ گھبرائے گھبرائے سے چلے جا رہے تھے۔ اچانک بھاگنے والوں کی بھیڑ میں کسی سے ٹکرا کر وہ سڑک پر گر پڑے۔ اس مصیبت میں کون تھا جو اُن کی مدد کرتا۔ لوگ اندھے میاں کو روندتے ہوئے بھاگتے رہے۔

لنگڑے میاں سے یہ دیکھ کر نہیں رہا گیا۔ زور سے چلّائے، "اے بھائی نابینا صاحب! اُٹھو! اُٹھو! میری طرف آجاؤ! جلدی آجاؤ!"

اندھے میاں بڑی مشکلوں سے اُٹھے۔ لاٹھی ٹیک ٹیک کر لنگڑے میاں کی آواز کی سمت چلے۔ کشتم پشتم وہاں تک جا پہنچے۔ لنگڑے میاں نے کہا،

"بھائی صاحب! اس گاؤں کے ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی ہے۔ کسی کو تمھاری یا میری پروا نہیں۔ تمھیں اور مجھے اپنے بچاؤ کے لیے خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔ ہم نے اگر ان لوگوں پر بھروسا کیا تو مفت میں مارے جائیں گے!"

اندھے میاں نے کہا، "ٹھیک کہتے ہو صاحب! اگر تم مجھے آواز نہ دیتے اور میں سڑک پر پڑا رہتا تو لوگوں نے اب تک مجھے کچل ڈالا ہوتا۔ میرے ہاتھ پاؤں چھل گئے۔ ارے یہ لوگ تو میری چٹنی بنا ڈالتے۔ کیسے بے درد لوگ ہیں!"

لنگڑے میاں بولے، "سنو بھائی! میں لنگڑا ہوں، تم اندھے ہو۔ میں چل نہیں سکتا، تم دیکھ نہیں سکتے۔ ایسا کرو کہ تم مجھے اپنی پیٹھ پر لاد لو۔ میں راستہ بتاتا جاؤں، تم چلتے جاؤ۔ اس طرح ہم دونوں بچ جائیں گے!"

اندھے میاں کی سمجھ میں بات آگئی۔ انھوں نے اپنی پیٹھ پر لنگڑے میاں کو لاد لیا۔ لنگڑے میاں راستہ بتاتے جاتے تھے۔ اندھے میاں تیزی سے بھاگتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ دونوں اپنے گاؤں سے باہر نکل آئے۔ چلتے چلتے ایک اور گاؤں میں جا پہنچے۔ یہاں سکون

اندھا اور لنگڑا راستہ پوچھتے پوچھتے مُکھیا کے گھر پہنچ گئے۔

تھا۔ اندھے میاں نے لنگڑے میاں کو پیٹھ پر سے اُتارا اور دونوں نے سُکھ کے سانس لیے۔

اندھے میاں نے کہا، "لو صاحب! میری وجہ سے تمھاری جان بچی۔ لاؤ! کچھ انعام دو!"

لنگڑے میاں بولے، "میاں، کیسی باتیں کرتے ہو؟ میں راستہ نہ بتاتا اور تمھیں اپنی طرف نہ بلاتا تو اب تک تم ختم ہو چکے ہوتے۔ سچ پوچھو تو میں نے تمھاری جان بچائی ہے!"

"میں نے تمھاری جان بچائی ہے!" اندھے میاں نے چمک کر کہا۔

"نہیں میں نے!" لنگڑے میاں ڈپٹ کر بولے۔

"نہیں میں نے!"

"نہیں میں نے!"

آپس میں تُو تُو مَیں مَیں بڑھ گئی۔ دونوں ایک دوسرے پر احسان جتا رہے تھے۔ جب یہ معاملہ کسی طرح طے نہ ہوا تو دونوں نے فیصلہ کیا کہ اس گاؤں کے مُکھیا کے پاس جائیں۔ اس کو سارا قصہ سُنائیں۔

راستہ پوچھتے پوچھتے دونوں مکھیا کے گھر پہنچے۔ مکھیا نے دونوں کی باتیں سُنیں، پھر ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ میاں لنگڑے اور میاں اندھے دونوں مکھیا کی ہنسی پر حیران ہوئے۔

"بھلا ہنسی کی کیا بات ہے؟" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

مکھیا نے جواب دیا، "سنو صاحبو! تم دونوں ایک دوسرے کا سہارا بنے۔ لنگڑے میاں اندھے میاں کی آنکھیں ہیں۔ اندھے میاں لنگڑے میاں کے پاؤں! نہ تم نے اِن کی جان بچائی، نہ انھوں نے تمھاری۔ سچ پوچھو تو تم دونوں نے اپنی اپنی جان بچائی۔ شکر کرو جان بچ گئی۔ اب اور کیا چاہتے ہو؟"

لنگڑے میاں اور اندھے میاں دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ایک دوسرے کے گلے ملے۔ اس بات کا عہد کیا کہ اب کبھی ایک دوسرے پر احسان نہ جتائیں گے۔ ایک دوسرے کے کام آئیں گے۔

مُکھیا کے گھر سے اُٹھ کر دونوں ایک ساتھ ہو لیے۔ اندھے میاں نے لنگڑے میاں کو پیٹھ پر بٹھا لیا۔ لنگڑے میاں راستہ بتاتے گئے۔ دونوں تیزی سے آگے بڑھتے گئے۔

سارے بچّوں کی پہلی پسند!

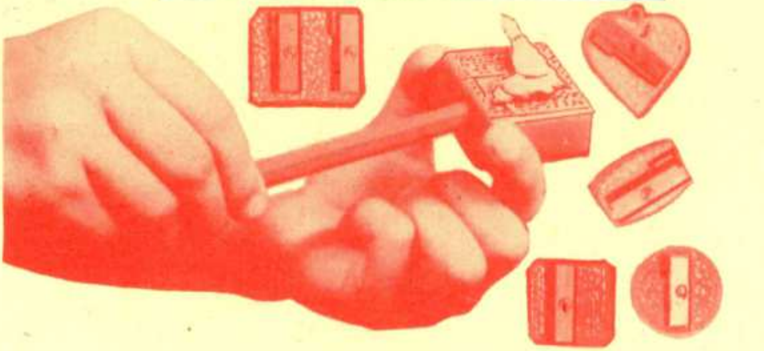

گارنٹی کے ساتھ پنسل کی نوک نہیں توڑتے

انڈس شارپنر

جادوگر شہر میں رہنے چلا

مناظر صدیقی

کسی جنگل میں ایک بہت بڑا جادوگر رہتا تھا۔ ساری دنیا میں اس کی شہرت تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا جادوگر تھا۔ اس نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے تھے۔ بڑے عجیب عجیب کام کیے تھے، مثلاً اس نے ایک مینڈک کو اُڑنے والا ہاتھی بنا دیا تھا۔ چار چوہوں کو پکڑ کر بینڈ بجانے والے بنا دیا تھا۔ پھر وہ ایک جادوئی جنگل میں گیا۔ وہاں اس نے چالیس خوف ناک درندے پکڑے۔ انھیں سدھا کر اس نے اپنی گاڑی میں جوت دیا۔ اس گاڑی میں بیٹھ کر وہ چاند کی سیر کو گیا۔ اتنے سارے کارنامے انجام دینے کے باوجود وہ کچھ کچھ اکتایا سا رہتا تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا

جادوگر نے اپنے بھتیجے سے کہا "میں جادو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں گا۔"

جیسے اس نے کوئی خاص کام کیا ہی نہ ہو اور کوئی نیا کام اس کی سمجھ میں بھی نہیں آتا تھا۔ وہ تھکا تھکا سا اپنی کرسی پر بیٹھا سوچتا رہتا۔ آخر ایک دن اس نے اپنے بھتیجے سے کہا:

"میں کوئی بالکل ہی نیا کام کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب جادو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں۔ ہم اس جنگل کو بھی چھوڑ دیں گے اور عام آدمیوں کی طرح کسی شہر میں جاکر رہیں گے۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" اس کے بھتیجے نے کہا۔ وہ ہر وقت کتابیں پڑھتا رہتا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ خوب سفر کرے اور دنیا دیکھے، لیکن چچا کے فیصلے میں ایک بات اُسے کھٹک رہی تھی۔ وہ اس نے چچا سے پوچھ لی:

"چچا، کیا آپ کو معلوم ہے کہ عام آدمی کیسے رہتے ہیں۔ میں نے کتابوں میں ان کے متعلق پڑھا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ جادوگروں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔"

"اوہو! تم کیا اور تمھاری کتابیں کیا؟" جادوگر نے تُنک کر کہا، "میں دنیا کا سب سے بڑا جادوگر ہوں۔ میں کسی عام جگہ پر بھی رہ سکتا ہوں۔ ایسی جگہ جہاں سب عام آدمی ہوں۔"

جادوگر اور اس کے بھتیجے نے جنگل چھوڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جادوگر کے بھتیجے نے ایک ڈبے میں اخروٹ، مکھن اور تیل میں تلی ہوئی کھانے کی چیزیں جمع کیں۔ جادوگر نے چمگادڑ کے دانتوں سے بنے ہوئے کنگھے سے اپنی داڑھی میں کنگھی کی۔ پیروں میں درندوں کی کھال کے جوتے پہنے۔ سر پر اپنی جادوگروں والی ٹوپی رکھی۔ پھر جب وہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے تو اس کے بھتیجے نے پوچھا:

"چچا! آپ کی جادو کی انگوٹھی کہاں ہے؟"

"میں نے کہا نا کہ میں جادو چھوڑ چکا ہوں۔" جادوگر نے جواب دیا۔

دونوں جنگل میں اپنے جادوئی محل سے نکل کھڑے ہوئے۔ کافی دُور چلنے کے بعد انھیں ایک چھوٹا سا شہر نظر آیا۔ وہ شہر کی طرف بڑھے۔ یہاں تک کہ وہ بڑی سڑک پر پہنچ گئے۔ یہاں جادوگر کو ایک سرخ بتی جلتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے اپنے بھتیجے کو مخاطب کر کے کہا: "ننھے لڑکے، تم بہت کتابیں پڑھتے رہتے ہو۔ ذرا بتاؤ تو یہاں یہ سرخ بتی کیوں جل رہی ہے؟"

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں رُک جانا چاہیے اور جب سبز بتی جلنے لگے تو سڑک پار کرنی چاہیے۔"

بھتیجے نے جواب دیا۔

جادوگر نے گردن ہلائی، "ہُنہہ، بے وقوفی کی بات ہے۔ میں دنیا کا سب سے بڑا جادوگر ہوں۔ کوئی مشین مجھے کیسے بتا سکتی ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔" جادوگر نے فٹ پاتھ چھوڑ کر سڑک پر قدم رکھ دیا۔ وہ آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ اس نے اپنے بھتیجے کی آواز سُنی۔ وہ کہہ رہا تھا:

"رُک جائیے چچا! ٹر..... ر ..... رک ....."

جادوگر اپنے بھتیجے کی بات سمجھنے کے لیے رُکا ہی تھا کہ ایک بڑا سا ٹرک اس کے بالکل قریب سے گزر گیا۔ ٹرک کے پہیوں سے اُڑنے والی مٹّی اور دھول جادوگر کی ٹوپی پر بھی پڑی اور جوتے تو بالکل خراب ہوگئے۔ جادوگر کو بڑا غصّہ آیا۔ ٹرک تو گزر چکا تھا، لیکن اس نے اندازے سے ٹرک ڈرائیور کو گھونسا دکھاتے ہوئے کہا، "نامعقول! اس وقت میری جادوئی انگوٹھی میرے پاس ہوتی تو میں تجھے مینڈک بنا دیتا۔"

چچا بھتیجے دونوں پھر آگے بڑھنے لگے۔ بھتیجے نے جادوئی محل سے چلتے وقت ڈبے میں کھانے

پولیس جادوگر کے پیچھے چور چور کہہ کر دوڑ رہا تھا۔

پینے کا جو سامان رکھا تھا یہاں تک پہنچتے پہنچتے دونوں چچا بھتیجے اُسے چٹ کر چکے تھے۔ اب انھیں بھوک لگ رہی تھی۔ راستے میں انھیں ایک بیکری نظر آئی۔ اس کے بورڈ پر لکھا تھا:

"ہمارے میٹھے سموسے کھا کر دیکھیے۔"

"واہ وا! بھوک لگتے ہی دعوت مل گئی۔" جادوگر نے بھتیجے سے کہا اور جلدی سے بیکری میں گھس کر میٹھے سموسے اُٹھا لیے اور مزے سے کھانے لگا۔ اتنی دیر میں بھتیجا بھی پہنچ گیا تھا۔ اس نے اپنے چچا کو سمجھایا:

"آپ کو یہ سموسے اس طرح نہیں کھانے چاہییں۔ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ ایسی چیزیں کھانے سے پہلے ان کی قیمت ادا کرنی ہوتی ہے۔ یہاں رُپے اور پیسے نام کی چیزیں بھی ہوتی ہیں۔ یہ رُپے اور پیسے دینے کے بعد ہی ہم یہاں کی کوئی چیز کھا سکتے ہیں۔"

"حماقت کی باتیں نہ کرو۔" جادوگر نے بھتیجے کو ڈانٹا، "میں دنیا کا سب سے بڑا جادوگر ہوں۔ میں معمولی سا اشارہ بھی پڑھ سکتا ہوں۔ بورڈ پر صرف اتنا لکھا ہے کہ ہمارے میٹھے سموسے کھائیے اور میں وہی کر رہا ہوں جو لکھا ہے۔"

"لیکن چچا، یہاں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنھیں پولیس افسر کہا جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک پولیس افسر ہماری طرف آ رہا ہے۔" بھتیجے نے جادوگر کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اسی وقت بیکری کے مالک نے چیخ کر پولیس افسر سے کہا:

"جناب، اس بڈھے کو گرفتار کر لیجیے یہ میرے سموسے چُرا رہا ہے۔"

"عجیب شہر ہے۔" جادوگر نے کہا، "میں نے اُن کے ساتھ رہنے کے بجائے تین درندوں، پانچ جنوں اور گیارہ بھیڑیوں کو سدھانے کی کوشش کی ہوتی تو زیادہ اچھا ہوتا۔"

پولیس افسر دوڑتا ہوا ان کی طرف آ رہا تھا اور ساتھ ساتھ چیخ بھی رہا تھا: "چور! .... چور.... رُک جاؤ.... پکڑو.... پکڑو...."

"جلدی بھاگ چلیے چچا، ورنہ یہ ہمیں پکڑ لے گا۔" بھتیجے نے جادوگر سے کہا۔ پھر وہ دونوں جلدی جلدی بیکری کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گئے۔ یہاں سامنے ہی ایک چھوٹا سا ٹیلا تھا۔ جس پر ایک خوب صورت اور چھوٹی سی کار کھڑی تھی۔ جادوگر دوڑ کر اس کار میں بیٹھ گیا اور اسے چلانے کی کوشش کرنے لگا۔ "آپ اسے نہیں چلا سکتے چچا۔" بھتیجے نے کہا۔

جادوگر نے بگڑ کر کہا، "بھر بے وقوفی، میں جب خوف ناک درندوں کے ایک پورے غول کو ہنکا سکتا ہوں تو یہ چھوٹی سی کار بھی چلا سکتا ہوں۔"

جادوگر جلدی میں کار کے مختلف بٹن دبانے لگا۔ اتنی دیر میں پولیس افسر اور قریب پہنچ گیا تھا۔ جادوگر کو یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ کار کیسے چلائی جاتی ہے، لیکن وہ مختلف کھٹکے کھینچتا رہا، اچانک اس کا ہاتھ بریک پر پڑ گیا۔ اس نے بریک بھی دبا کر آگے کر دیا۔ اس طرح بریک کھل گیا اور کار پہاڑی پر رینگنے لگی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ اب کار ڈھلان پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ پیچھے پیچھے پولیس افسر، کار کا مالک اور بیکری کا مالک دوڑ رہے تھے، یہاں تک کہ کار بلدیہ کے میئر کے بڑے سے بنگلے کے سامنے پہنچ گئی۔

"روکیے!۔۔۔ روکیے۔ ہماری کار ٹکرا جائے گی۔" بھتیجے نے کہا۔ جادوگر نے بھی کار روکنے کی کوشش کی، لیکن جب کار نہیں رُکی تو جادوگر گھبرا کر جادو کے بول رٹنے لگا:

"کرم۔۔۔ قلام۔۔۔ وُرم فرو۔۔۔ رُکوم۔۔۔ رُکوم۔۔۔ فلام۔۔۔"

کار پر جادو کا بھلا کیا اثر ہوتا۔ وہ بنگلے کی باڑھ سے ٹکرا گئی۔ بنگلے میں باڑھ کے بعد بڑی خوب صورت پھلواری لگی تھی۔ اور اس کے بعد نہانے کا ایک بہت بڑا حوض تھا جسے سوئمنگ پول کہتے ہیں۔ جادوگر کی کار پھلواری کو کچلتی ہوئی سوئمنگ پول میں گر گئی۔ بڑا زور دار دھماکا ہوا اور ہر طرف سے آدمی دوڑ کر سوئمنگ پول کے پاس جمع ہو گئے۔ ان میں میئر صاحب بھی تھے۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ جادوگر اور اس کا بھتیجا نہ پانی میں غوطے کھا رہے تھے۔ کبھی باہر نکل آتے کبھی نیچے چلے جاتے۔ اِدھر میئر صاحب چیخ کر کہہ رہے تھے: "اسے گرفتار کر لو۔ اس نے میری پھلواری تباہ کر دی ہے۔" "اس نے میرے سموسے چرائے ہیں۔" بیکری والے کی آواز سنائی دی۔ "اس نے میری کار چرائی ہے۔" ایک اور آواز سنائی دی۔ یہ آوازیں سُن کر جادوگر بہت پریشان ہوا۔ اس نے اپنے بھتیجے سے کہا، "دیکھو یہ لوگ تمھیں پکڑنے نہ پائیں۔"

"چچا! میرے پاس ایک چیز ہے۔" بھتیجے نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ جادوگر نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی انگلی میں جادوگر کی جادوئی انگوٹھی پہنے ہوئے تھا۔

جادوگر نے خوش ہو کر کہا، "میری جادوئی انگوٹھی! اس وقت یہ انگوٹھی ضرور ہمارے کام آئے گی۔" اس نے وہ انگوٹھی لے کر اپنی انگلی میں پہن لی اور پھر جادو کے بول پڑھنے لگا۔

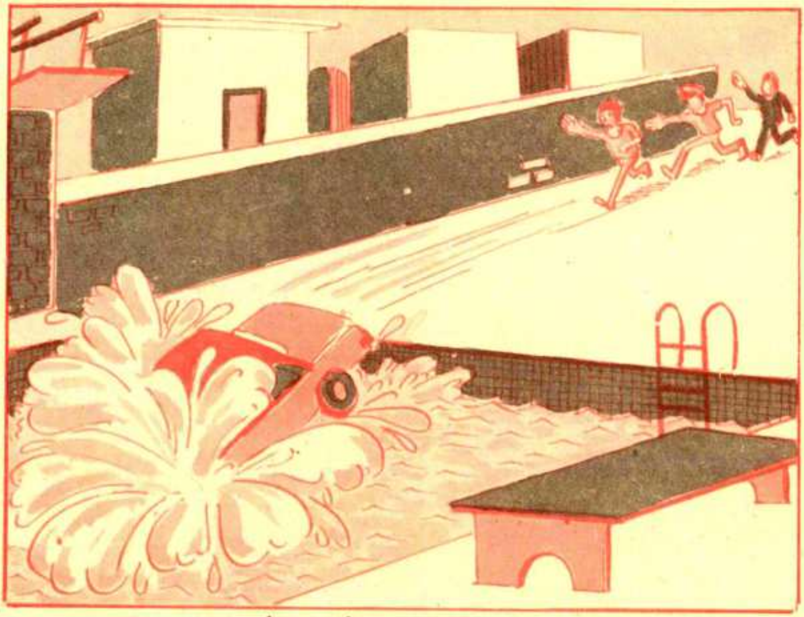

جادوگر کی کار پھلواری کو کچلتی ہوئی سوئمنگ پُول میں جا گری۔

"کرم .... فلام .... دُرم فرڈ .... گھرم .... گھرم .... دوم .... دوم .... گھرم .... گھرم .... فلام ....!"

جادوگر کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہی چچا بھتیجے وہاں سے غائب ہو گئے۔ صرف اُودے رنگ کا ایک دھواں سا وہاں رہ گیا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد جادوگر اور اس کا بھتیجا اپنے جادوئی محل میں بیٹھے تھے۔ جادوگر کو بھیگے ہوئے کپڑوں میں سخت سردی لگ رہی تھی۔ اُسے غصّہ بھی آرہا تھا۔ اس نے کہا:

"اب میں اس شہر کے ہر آدمی کو مینڈک بنادوں گا۔" لیکن جادوگر بہت تھک چکا تھا اور بوڑھا بھی ہو چکا تھا۔ وہ کسی کو مینڈک نہ بنا سکا۔ کچھ دن بعد اس نے بھتیجے سے کہا:

"غلطی میری ہی تھی۔ ہم جہاں پیدا ہوئے اور جہاں ہمیشہ سے رہتے چلے آئے ہیں ہمیں وہیں رہنا چاہیے تھا۔ اجنبی لوگوں میں رہنے کے متعلق میرا فیصلہ غلط تھا۔" کہتے ہیں کہ اس کے بعد جادوگر کبھی اپنے محل سے باہر نہیں نکلا۔

ہمدرد اِنسائکلوپیڈیا

علی ناصر زیدی

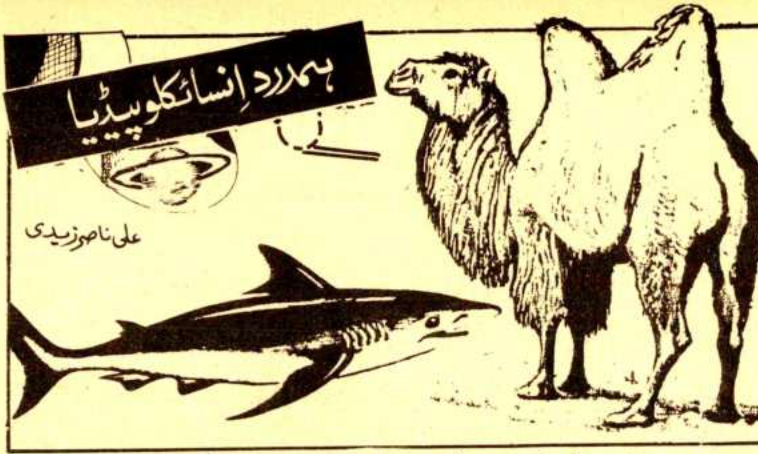

س: ٹیلی پرنٹر مشین کیا کام کرتی ہے اور کس طرح کرتی ہے؟ — عدنان رضا، کراچی

ج: ٹیلی پرنٹر عام طور سے اخباروں کے دفتر میں ہوتے ہیں۔ اخبار میں تازہ خبریں اسی مشین کی بدولت آتی ہیں اور وہ اس طرح کہ خبر بھیجنے والی ایجنسیوں میں بھی ایسی ہی مشین ہوتی ہے۔ اخباروں کی مشینیں تاروں کے ذریعے سے اس مشین سے ملی ہوئی ہوتی ہیں، جس طرح تار برقی یا ٹیلی گراف میں ایک تار گھر کی آوازیں برقی اشاروں کے ذریعے سے دوسرے تار گھر تک پہنچ جاتی ہیں اسی طرح ٹیلی پرنٹر پر بھیجنے والے دفتر میں جو کچھ ٹائپ ہوتا ہے، وہی دوسری مشین پر خود بہ خود ٹائپ ہو جاتا ہے۔ بس اس میں کاغذ لگانا پڑتا ہے۔ اس طرح تازہ خبریں اخباروں تک پہنچتی رہتی ہیں۔

س: پانی سے بجلی کیسے پیدا ہوتی ہے؟ — محمد اسلم قریشی، احمد پور شرقیہ

ج: پانی اور بجلی کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ بجلی پیدا کرنے کے لیے جو مشین استعمال کی جاتی ہے اُسے جینریٹر کہتے ہیں۔ اُس میں تاروں کے بڑے بڑے لچھے ہوتے ہیں۔ بجلی پیدا کرنے کے لیے انھیں گھمانا پڑتا ہے۔ گھمانے کے لیے آپ بھاپ بھی استعمال کر سکتے ہیں اور پانی کی گرتی ہوئی دھار بھی، یعنی آبشار۔ پانی زور سے ایک مشین کے پنکھوں پر گرتا ہے، جسے ٹربائن کہتے ہیں۔ وہ گھومتے ہیں تو ان کے ساتھ جُڑا ہوا جینریٹر بھی گھومتا ہے اور یوں بجلی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ نہ سمجھیے کہ پانی میں کہیں بجلی ہوتی ہے جو نکل کر آجاتی ہے۔ پانی کی دھار ہو یا کوئی اور

چیز ضرورت ہوتی ہے طاقت کی جو گھما سکے۔

س: سردیوں کے موسم میں سورج زمین کے قریب کیوں آجاتا ہے، دن چھوٹے اور راتیں بڑی کیوں ہو جاتی ہیں؟
محمد حبیب، ملتان

ج: سورج زمین کی طرف حرکت نہیں کرتا، بلکہ زمین سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے اور ایک سال میں ایک چکّر پورا کر لیتی ہے۔ اس کے علاوہ زمین اپنے محور پر بھی چوبیس گھنٹوں میں ایک بار گھومتی ہے جس سے دن رات بنتے ہیں۔ زمین اپنے محور پر سیدھی واقع نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ ۲/۱ ۲۳ درجے کا زاویہ بناتی ہے۔ زمین کے دو کُرّے ہیں۔ شمالی نصف کرہ اور جنوبی نصف کرہ۔ کبھی ایک نصف کرہ سورج کی طرف جُھک جاتا ہے کبھی دوسرا۔ جھکنے والے نصف کرے میں گرمیوں کا موسم، دن لمبے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں، جب کہ دُور ہو جانے والے نصف کرے میں جاڑوں کا موسم ہوتا ہے۔ راتیں لمبی ہوتی ہیں اور دن چھوٹے۔

س: ٹیلے وژن کے اسکرین پر تصاویر لہروں کے ذریعہ سے کیسے آتی ہیں؟
شاہد مصطفٰے شیخ

ج: جب اسٹوڈیو سے ٹیلے وژن پروگرام نشر ہوتے ہیں تو کیمرا سامنے کے منظر کی تصویریں لیتا ہے۔ یہ تصویریں یا روشنی کی شعاعیں برقی لہروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور چاروں طرف نشر کر دی جاتی ہیں۔ یہ لہریں ہمارے ٹیلے وژن سیٹ میں اینٹینا کے ذریعہ سے داخل ہوتی ہیں تو برعکس عمل ہوتا ہے، یعنی برقی لہریں پھر اُسی طرح کی تصویروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، یعنی سارا کھیل اس تعلق پر منحصر ہے جو بجلی اور روشنی کے درمیان قدرتی طور پر پایا جاتا ہے۔ یہ تصویریں ٹیلے وژن کے پردے پر اُبھر آتی ہیں۔

س: دنیا میں تیل اور گیس کے ذخائر کب تک قائم رہیں گے؟ جنید اختر، کراچی

ج: ایک اندازے کے مطابق آئندہ سو سال تک۔

س: اولے کس طرح بنتے ہیں؟ ان کے گرنے سے کیا نقصانات ہوتے ہیں؟

مرسلہ: تبسم رضا سومی، خانیوال

ج: اولے اس وقت گرتے ہیں جب بالائی فضا کا ٹمپریچر نقطۂ انجماد تک گر جاتا ہے، یعنی صفر درجہ سینٹی گریڈ یا ۳۲ درجے فیرن ہائٹ۔ بارش کے قطرے اونچائی پر بادلوں سے گرتے ہیں، لیکن انھیں راستے میں حد درجہ خنکی سے واسطہ پڑتا ہے۔ اتنی زیادہ خنکی پر پانی، پانی نہیں رہتا بلکہ جم کر برف بن جاتا ہے۔ برف کے یہ ٹکڑے گرتے گرتے گیند کی طرف گول ہوجاتے ہیں اور اولے کہلاتے ہیں۔ ان سے بعض اوقات جانی نقصان بھی ہوتا ہے، لیکن وہ فصلوں کو تباہ کر دیتے ہیں، پھل گرا دیتے ہیں اور موسم میں تبدیلی لے آتے ہیں۔

س: شمسی توانائی کیا ہے؟ شمسی توانائی کو برقی توانائی میں کیسے تبدیل کیا جاتا ہے؟

مرسلہ: شوکت علی، کراچی

ج: جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ شمسی توانائی کا مطلب ہے وہ قوت جو سورج یا دھوپ سے حاصل کی جائے۔ ایک اصول کے تحت اس قسم کی توانائی کو دوسری قسم کی توانائی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ دھوپ سے کام لینے کے لیے بڑے بڑے بڑے پیالہ نما شیشے استعمال کیے جاتے ہیں اور دھوپ کی شاعوں کو ایک جگہ مرکوز کرکے حرارت پیدا کر لی جاتی ہے، جس سے چولھے جلائے جاسکتے ہیں، بھٹّی روشن کی جاسکتی ہے، پمپ چلائے جاسکتے ہیں اور اب تو دھوپ سے ریفری جریٹر بھی چلائے جارہے ہیں۔ اسی حرارت سے پانی کو کھولا کر بھاپ پیدا کی جاسکتی ہے اور بھاپ اسٹیم ٹربائن کے ذریعے سے بجلی بھی پیدا کرسکتی ہے۔

س: ہمارے ناخن کیسے بنتے ہیں؟ ان کی نشوونما کیسے ہوتی ہے؟

محمد عامر خان، شاہ پور چاکر

ج: ناخن کو بھی آپ ایک طرح کی ہڈی سمجھیے، جو ہماری انگلیوں کے سروں پر حفاظت کے لیے قدرت نے بخشے ہیں۔ وہ بھی جسم کے دوسرے حصّوں کی طرح غذا حاصل کرتے ہیں اور بڑھتے ہیں۔

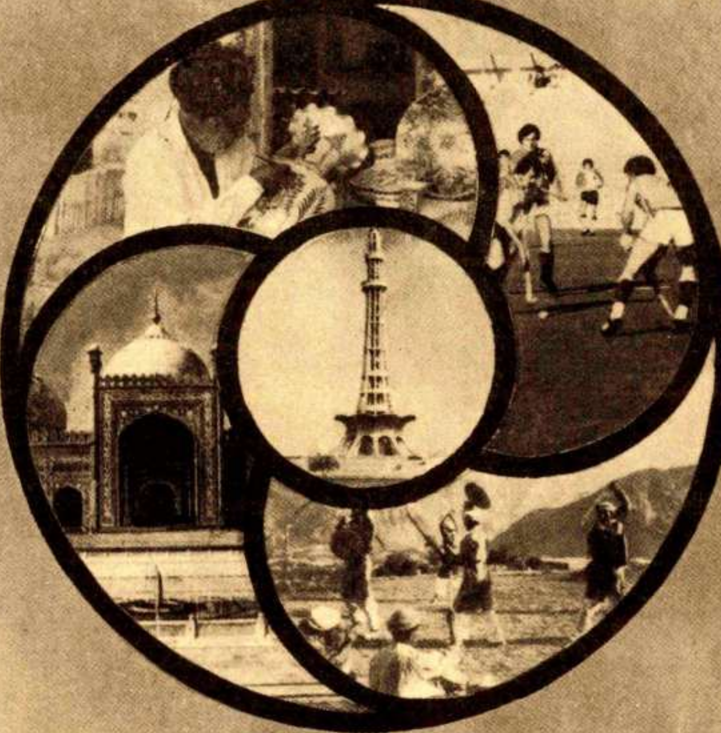

تہذیبی روائتیں اور ثقافتی ورثہ ہماری اصل پہچان ہیں !

نیشنل بینک آف پاکستان نے اس نکتۂ نظر کو اپنے آغازِ سفر میں ہی اپنا لیا تھا۔ فن، تہذیب اور لوک ورثہ کی حفاظت کے علاوہ علم و تحقیق کے فروغ اور کھیلوں کے قومی سطح پر احیا کو اس قومی بینک نے ہمیشہ وہی اہمیت دی ہے جو پاکستان کی معاشی ترقی اور تجارت کے فروغ کو حاصل ہے۔

نیشنل بینک آف پاکستان — قومی ترقی قومی بینک

United

PID-I-37/85

معلوماتِ عامّہ ۲۴۴

اس بار بھی سوالات کی تعداد بارہ ہے، لیکن تصویریں ۱۲ یا ۱۱ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی شائع کی جائیں گی دس اور نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۱۵۔اگست ۸۶ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے نیچے اپنا صاف نام اور پورا پتا لکھیے۔

۱۔ مکّے کے کافروں سے تنگ آکر سب سے پہلے عرب کے مسلمانوں نے کس ملک کو ہجرت کی تھی۔

۲۔ کیا اس ہجرت میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس خود بھی شریک تھے؟

۳۔ "اندھیری رات کا تنہا مسافر" اردو کے ایک جدید ناول کا نام ہے۔ کیا آپ اس کے مصنّف کا نام بتا سکتے ہیں؟

۴۔ مولانا محمد علی جوہر نے "کامریڈ" کے نام سے ایک انگریزی ہفتہ وار اخبار کلکتے سے جاری کیا تھا۔ ایک اردو اخبار ہمدرد دہلی سے نکالا تھا۔ بتائیے ہمدرد کا پہلا شمارہ کس تاریخ کو نکلا۔

۵۔ سندھ کے ایک بہت مشہور بزرگ اور ہفت زبان شاعر کو منصور ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ ان بزرگ کا نام بتائیے۔

۶۔ مشہور عالم، ادیب اور صحافی مولانا ابوالکلام آزاد کا سنہ پیدائش بتائیے۔

۷۔ ایک میگا ٹن میں کتنے ٹن ہوتے ہیں؟

۸۔ کاسابلانکا ایک شہر کا نام ہے۔ یہ کس ملک میں ہے؟

۹۔ ایک عام سیل (جو ٹارچ میں بھی استعمال ہوتا ہے) کتنے وولٹ (VOLTS) کا ہوتا ہے؟

۱۰۔ بابائے بصریات ایک مشہور مسلمان سائنس داں کو کہتے ہیں۔ اس سائنس داں کا نام بتائیے۔

۱۱۔ سب سے زیادہ آنکھوں کے عطیات ایشیا کا کون سا ملک دیتا ہے؟

۱۲۔ برازیل کے دارالحکومت کا نام برازیلیہ ہے۔ بتائیے برازیلیہ سے پہلے اس ملک کے دارالحکومت کا نام کیا تھا؟

اخبارِ نونہال

حج ادا کرنے کا انوکھا طریقہ

مصر کے ایک امیر خلیل داہری نے حج ادا کرنے کے لیے ۸۰۰ میل کے سفر کے دوران اپنے ملازمین کی ایک جماعت کو اُس سڑک پر سونے کے سکّے بکھیرنے پر متعین کیا، جس پر سے اس کا اونٹ گزرتا تھا۔ اس طرح بکھیرے جانے والے سارے سکّے جن کی مالیت تقریباً دو ارب رُپے تھی، مکّہ کے غریبوں میں تقسیم کیے گئے۔

مرسلہ: سرفراز درّانی، راول پنڈی

طویل العمر بطخ

بطخ کی طبعی عمر صرف چند سال ہوتی ہے، لیکن ایک بطخ نے خلافِ معمول تیرہ سال سے بھی زیادہ عمر پائی۔ اس کا تعلق ایک خاص نسل سے تھا۔ اس بطخ کو دریائے بیئو میں ایک خاص نشان لگا کر چھوڑ دیا گیا۔ تیرہ سال میں ہزارہا میل کا سمندری فاصلہ طے کرنے کے بعد جب یہ بطخ میکسیکو پہنچی تو اس کو ساحل پر پکڑا گیا۔

مرسلہ: ذکاء اللہ بھٹی، گجیانہ نو

وقت کا پابند چشمہ

جنوبی فرانس کے پہاڑی علاقوں میں ایک قدرتی چشمہ ہے، جو ایک سرنگ نما غار کے اندر ہے۔ اس چشمے کا پانی گھڑی کی مانند وقت کی پابندی کے ساتھ ۳۶ منٹ اور ۳۶ سیکنڈ بہتا ہے اور پھر

۳۲ منٹ اور ۳ سیکنڈ کے لیے رُک جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر ۳۶ منٹ اور ۳۶ سیکنڈ مسلسل بہتا ہے۔ ایک زمانے سے اس کے بہنے اور رُکنے کے وقت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

مرسلہ: اعجاز احمد، ڈیرہ اسماعیل خاں

سگریٹ نوشی کا رکارڈ

موجودہ دور میں، جب کہ سگریٹ نوشی کے خلاف زبردست مہم چلائی جا رہی ہے ایسے افراد بھی موجود ہیں جو بہ یک وقت کئی کئی سگریٹ پی لیتے ہیں۔ مشی گن کے ممبر ماؤنٹ پورل نے ۴۱ سگریٹیں بہ یک وقت پی کر اپنا سابقہ عالمی رکارڈ توڑ دیا۔ بعض رکارڈ اچھی باتوں کے ہوتے ہیں، لیکن سگریٹ نوشی کا رکارڈ قائم کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

مرسلہ: شازیہ اسلام زبیری، کراچی

استقبال کرنے والا روبوٹ

حال ہی میں ٹوکیو میں ایک جرمن فرم نے ایک نمائش کا اہتمام کیا۔ اس نمائش میں آنے والوں کا "روبن" نامی روبوٹ نے پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ اس نمائش میں آنے والوں کی نمایاں تعداد روبن سے ملنے اور اس کی باتیں سننے کے لیے آئی۔ اس نمائش میں پانچ سو جرمن فرموں نے اپنی جدید ترین مصنوعات پیش کیں، لیکن روبن ان سب میں نمایاں تھا۔ روبن کو ایک جرمن روبوٹ کمپنی نے اسی لیے تیار کیا تھا کہ وہ نمائش میں لوگوں کا استقبال کرے۔

مرسلہ: سید امتیاز حسین، کراچی

جنازے کا سفر

چین کے جنرل پی چن کا جنازہ بیجنگ سے کاشغر لے جایا گیا تھا۔ یہ جنازہ متواتر ایک سال، یعنی یکم جون ۱۹۱۲ء سے یکم جون ۱۹۱۳ء تک مختلف سڑکوں سے گزرتا رہا۔

مرسلہ: محمد ساجد سرہاری، تربیلا مانسہرہ

نونہال مصوّر

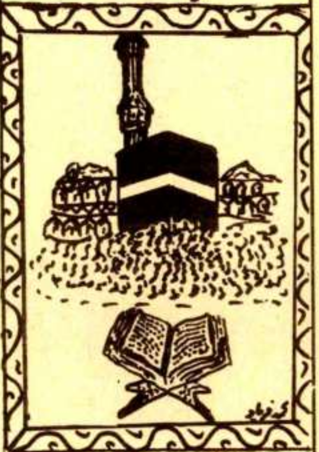

خالد حسین، لاہور

مبین حیدر انصاری، خیرپور

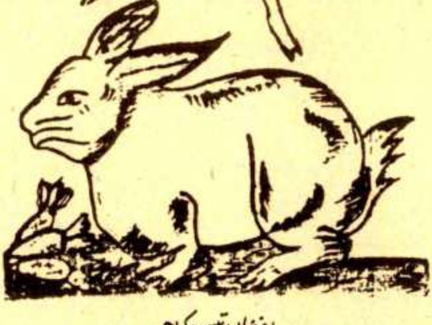

افشاں تبسم، کراچی

فضل ربی راہی، مینگورہ

رفعت انجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جشنِ نزول قرآن

بزم ہمدرد نونہال

۲۷۔ رمضان المبارک کو چالیس شمعیں کیوں روشن ہوئیں ؟
۲۴ نونہالوں کو ہار کیوں پہنائے گئے، گھڑیاں کیوں دی گئیں ؟

ایک بڑی دل چسپ سرگزشت

۲۷۔ رمضان مسلمانوں کی نہایت مبارک اور محترم تاریخ ہے۔ شب قدر کی نیک ساعتوں میں اس تاریخ کو دنیا کی سب سے بڑی کتاب، یعنی قرآنِ حکیم نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے اس کلام نے دنیا کے ہر رہنے والے کو زندگی کا نیا قرینہ دیا۔ دنیا کے تمام مسلمان قرآنِ حکیم کی ہدایات اور تعلیماتِ رسولؐ کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ پاکستان کا ہر نونہال خوب جانتا ہے کہ اب سے چالیس سال پہلے ۲۷۔ رمضان کی تاریخ تھی۔ جمعۃ الوداع کا دن تھا۔ شبِ قدر تھی۔ ہندُستان کے مسلمان آزادی کی لمبی جنگ لڑ کر پچھلی شب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کر کے دعائیں مانگ رہے تھے کہ آزادی کا سورج طلوع ہو۔ پاکستان قائم ہو، سب سے بڑا اسلامی ملک۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور ۲۷۔ رمضان کو الحمد للہ پاکستان قائم ہو گیا۔ دنیا میں ایک نیا اسلامی ملک وجود میں آگیا۔ تمام دنیا نے پاکستان کا استقبال کیا۔ ایک نئے دَور کا آغاز ہوا۔ قرآن کی حکومت قائم ہوئی۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کا فیصلہ ہوا۔

بزم ہمدرد نونہال اس بار ۲۷۔ رمضان کو اس لیے برپا ہوئی کہ نونہالانِ وطن جشنِ نزولِ قرآن منائیں۔ یوم پاکستان پر خوشیاں منائیں۔ ہزاروں نونہال عیدِ پاکستان کی مبارک بادیاں دیں۔ نونہالوں نے چالیس شمعیں روشن کیں اور روشن پاکستان کا عزم تازہ کیا۔

نونہال جناب حکیم محمد سعید کے ساتھ چالیس شمعیں روشن کر رہے ہیں۔

روزہ مسلمانوں کی عبادت ہے۔ مائیں انتظار کرتی ہیں کہ ان کے نونہال ذرا بڑے ہوں اور وہ ان کا پہلا روزہ رکھوائیں اور خوشیاں منائیں۔ آج بزم ہمدرد نونہال اپنے ساتھ زبردست خوشیاں لائی ہے۔ آج کراچی میں چوبیس پیارے ننھے نونہالوں نے پہلا روزہ رکھا تھا۔ ان بچوں کو اوپر اسٹیج پر بڑے احترام کے ساتھ بٹھایا گیا تھا۔ پھر ان سب بچوں کو ہار پہنائے گئے۔ ان کو تحفے کے طور پر گھڑیاں دی گئیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اِدھر کراچی میں یہ جشن منایا جا رہا تھا اُدھر لاہور میں بھی نونہالوں کی بزم جمی ہوئی تھی۔ جو کراچی میں ہو رہا تھا اُسی وقت وہی سب کچھ لاہور میں بھی ہو رہا تھا۔ کراچی میں جناب حکیم محمد سعید صاحب پیارے نونہالوں کے ساتھ تھے، لاہور میں بزرگ آزادیِ پاکستان کے رہنما میاں امیر الدین نونہالوں کے لیے آغوش کھولے کھڑے تھے۔ ننھے روزہ داروں کو ہار پہنائے جا رہے تھے۔ والدین تو خوش تھے ہی، مگر حکیم صاحب شاید اُن سے زیادہ ہی خوش تھے اور میاں امیر الدین خوش تر۔

↑ لاہور — روزہ دار نونہالوں کو ہار پہنائے جا رہے ہیں۔ — کراچی ↓

ذرا حکیم صاحب کی بچّوں سے محبّت دیکھیے۔ وہ جمعرات کو مدینہ منورہ میں تھے۔ جمعے کی صبح وہ بزم ہمدرد نونہال میں شرکت کے لیے کراچی آ گئے۔ آج کی بزم میں انھوں نے ایک ایک بچّے سے مل کر اس کو عیدِ پاکستان کی مبارک باد دی اور پھر ان سے باتیں کیں۔ حکیم صاحب کے ایک پرانے ہم جماعت ہیں جناب حکیم محمد احسن۔ جب پاکستان بنا تھا تو وہ کراچی کے میئر تھے۔ آج بزم میں وہ بھی شریک تھے اور مہمانِ خصوصی تھے۔ جناب اطہر صدیقی نوجوان وزیرِ صحت سندھ ہیں۔ وہ آج صدرِ بزم تھے۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ عجیب عید کا سا سماں تھا۔

مہمانِ خصوصی جناب حکیم محمد احسن، صدرِ بزم جناب اطہر صدیقی اور جناب حکیم محمد سعید۔

نونہال مسعود احمد نے تلاوتِ قرآنِ حکیم سے بزم کا آغاز کیا اور پھر نونہال سلمیٰ جبیں نے نعت بہ حضورِ سرورِ کائنات ﷺ پیش کی۔ سارے بچّے ادب کے ساتھ بیٹھے رہے۔ بچّیوں کے سروں پر دوپٹّے تھے۔

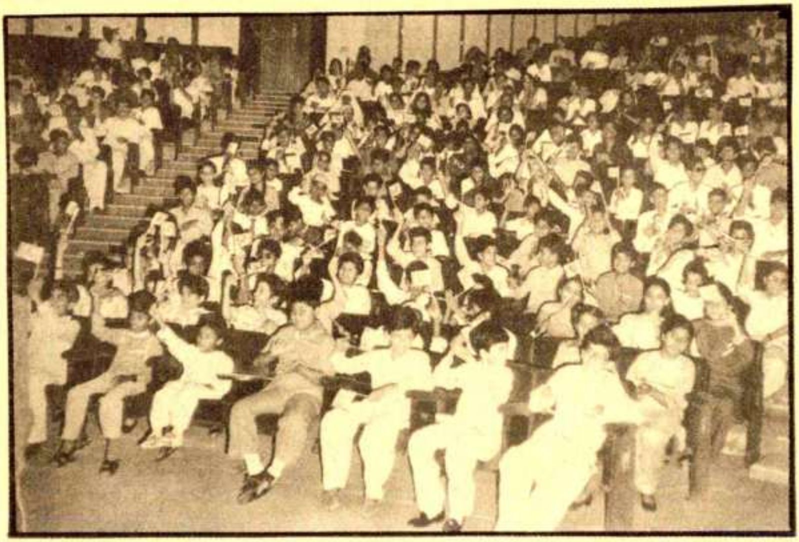

بزم ہمدرد نونہال، کراچی کے ننھے سامعین۔

جناب حکیم محمد سعید نے اپنے پیارے نونہالوں سے ان کی زبان میں اور جاگو جگاؤ کی زبان میں خطاب کیا۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

جناب حکیم محمد احسن اور جناب حکیم محمد سعید تقریر کر رہے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کا کلام قرآنِ حکیم دنیا کی سب سے بڑی کتاب ہے۔ اس کتاب نے دنیا میں انقلاب پیدا کیا ہے اور دنیا کے ہر انسان کو پیغامِ محبت و احترام دیا ہے۔ زندگی کا قرینہ دیا ہے۔ قرآن ہی پاکستان کی روشنی ہے۔ قرآن انسان کو حوصلہ دیتا ہے، علم نافع عطا کرتا ہے، اخلاق دیتا ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن انسان کو انسان بناتا ہے۔"

نونہال فاطمۃ الزہرا پاکستانی پرچم لہرا رہی ہیں۔

آج عیدِ پاکستان ہے۔ ننھی فاطمۃ الزہرا بڑی ادا کے ساتھ اسٹیج پر آئیں۔ ان کے ہاتھ میں پاکستان کا پرچم تھا۔ اُدھر سب بچّوں کے پاس بھی پاکستان کے پرچم تھے۔ اِدھر فاطمہ نے پاکستان کا پرچم بلند کیا، لہرایا اُدھر تمام بچّوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور سب نے پاکستان کے پرچم بلند کیے اور لہرائے۔ وہ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ ہم ہمیشہ پاکستان کے پرچم کو بلند رکھیں گے، پاکستان سے محبّت کریں گے۔ پاکستان کی تعمیر کریں گے۔

کوئز پروگرام : پاکستان

یومِ پاکستان کی مناسبت سے آج کا موضوع "پاکستان" تھا۔ بھئی ہم تو حیران رہ گئے کہ ہمارے

پیارے نونہالوں کو اپنے پاکستان کے بارے میں کس قدر اچھی معلومات ہے۔ یہ نیک فال ہے کہ ہر نونہال اپنے وطن کے بارے میں خوب جانتا ہے۔ یہی وہ نونہال ہیں کہ جو پاکستان کا پرچم بلند رکھیں گے اور پاکستان کی تعمیر کریں گے۔ ماموں حمیدی اِدھر سوال کرتے اُدھر ہال میں موجود ہر نونہال جواب کے لیے ہاتھ اُٹھا دیتا۔ مشکل آگئی کہ کیا کیا جائے۔ یہ بھی نہیں کہ سوالات

کوئز پروگرام میں ایک نونہال جواب دے رہا ہے۔

آسان تھے۔ خاصے مشکل تھے۔ لاہور میں بھی ایسا ہی حال تھا کہ جناب آصف بھلی نے سوال کیا اور سارے ہاتھ اُٹھ گئے۔ غرض کوئی گھنٹہ بھر کا یہ کوئز پروگرام بڑا ہی دل چسپ رہا۔ بڑا جوش و خروش تھا۔ اُدھر تینوں محترم منصفین محترمہ شمیم اختر، جناب پروفیسر خواجہ حمید الدین شاہد، جناب ڈاکٹر فرید الدین بقائی حیران پریشان کہ انعام کسے دیں۔ ہر نونہال گویا کہ فرسٹ تھا۔

سوالات

کوئز پروگرام کے سوالات یہ تھے:

۱۔ لال قلعہ دہلی، ہمایوں کا مقبرہ، رنگون ــــ کون سی شخصیت ذہن میں آتی ہے۔

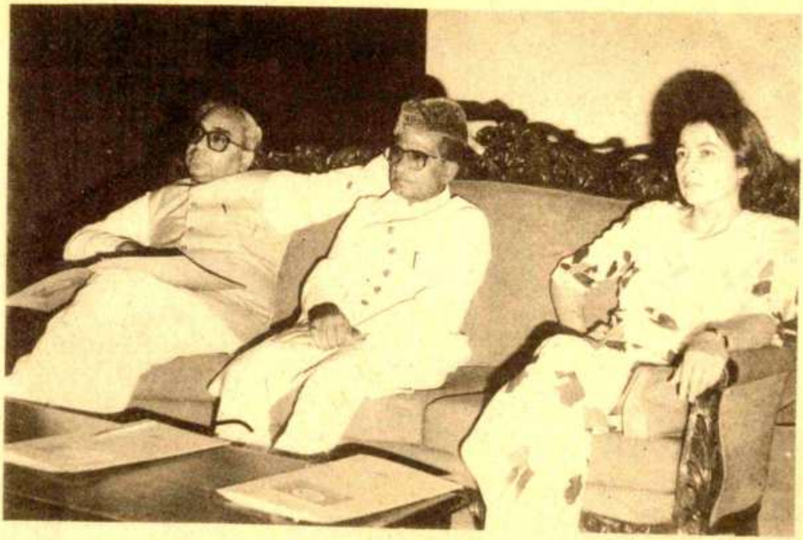

محترم منصفین محترمہ شمیم اختر، پروفیسر حمید الدین شاہد، جناب ڈاکٹر فرید الدین بقائی

۲ ۔ مرزا مغل شہزادہ جواں بخت، کرنل ہڈسن ۔ کیا واقعہ یاد آتا ہے۔

۳ ۔ انگریز اسے غدر کہتے ہیں ۔ ہم کیا کہتے ہیں؟

۴ ۔ ۱۸۵۷ء میں کراچی کے کس مقام پر جنگِ آزادی لڑی گئی؟

۵ ۔ ٹیپو سلطان کا اصل نام کیا تھا؟

۶ ۔ بالاکوٹ کی اہمیت کیا ہے؟

۷ ۔ جس کا قلم میکالے کا، زبان برک کی اور دل نپولین کا تھا، وہ کون تھا؟

۸ ۔ خادم کعبہ کس کا لقب تھا؟

۹ ۔ مسلم لیگ کا قیام کب عمل میں آیا؟

۱۰ ۔ سر آغاخاں کراچی میں کس جگہ پیدا ہوئے۔

۱۱ ۔ محمد علی جناح کو قائد اعظم سب سے پہلے کس اخبار نے لکھا؟

۱۲ ۔ الٰہ آباد، ۱۹۳۰ء، علامہ اقبال ۔ کیا چیز ذہن میں آتی ہے؟

۱۳ ۔ قائد اعظم کے مطابق پاکستان کس روز قائم ہو گیا تھا؟

۱۴ ۔ ۳۔ جون ۷ ۱۹۴ء کی کیا خصوصیت ہے ؟
۱۵ ۔ آل انڈیا ریڈیو دہلی سے پاکستان زندہ باد کا نعرہ کب اور کس نے لگایا؟
۱۶ ۔ ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء لاہور کے اجلاس کے اسٹیج پر علامہ اقبال کے کس شعر کا بینر لگا تھا ؟
۱۷ ۔ قرار داد پاکستان کا اردو ترجمہ کس نے کیا تھا ؟
۱۸ ۔ قرار داد پاکستان کی کس خاتون نے تائید کی تھی ؟
۱۹ ۔ کس طالبہ نے مسلم لیگ کا پرچم پنجاب سکریٹریٹ کی عمارت پر لہرایا ؟
۲۰ ۔ "یہ ریڈیو پاکستان ہے" یہ آواز سب سے پہلے کب اور کہاں سے گونجی ؟
۲۱ ۔ پاکستان کو سب سے پہلے کس ملک نے تسلیم کیا؟

جناب اطہر صدیقی کونسر پروگرام میں اوّل آنے والے محمد شاہد اقبال صدیقی کو انعام دے رہے ہیں۔

آج کی بزم ہمدرد نونہال میں جناب حکیم محمد سعید صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ میں پہلے تقریر اس لیے کر رہا ہوں کہ میں اپنے نونہالوں سے ڈرتا ہوں، کیوں کہ ایسا نہ ہو کہ وہ مجھ سے زیادہ اچھی اور زور دار تقریریں کر ڈالیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ آج تو ایسا ہی ہوا۔ نونہالوں نے ایسی ایسی زور دار تقریریں کیں کہ حکیم صاحب کے بہ قول وہ تو واقعی ان کے سامنے پانی بھرنے لگے۔ بڑا جوش تھا، بڑا جذبہ تھا۔ وہ تو خیر ہو گئی ورنہ یا تو آج مائکروفون ٹوٹتا یا پھر روسٹرم کی

جناب حکیم محمد احسن کوئز پروگرام میں دوم آنے والے فیصل منظور کو انعام دے رہے ہیں۔

جناب حکیم محمد سعید کوئز پروگرام میں سوم آنے والی فاطمہ نورالدین کو انعام دے رہے ہیں۔

خیر نہ تھی؛ اس میں سوراخ تو شاید ہو ہی گئے۔ مقابلے میں ان نونہال مقرروں نے حصّہ لیا:۔
ثمینہ ناز (جیوفل ہرسٹ گرلز اسکول) شاکرہ افتخار (ڈیسنٹ انگلش اسکول) شازیہ فاروق (دہلی گرلز اسکول) محمد فراز خاں (علی علی اسکول) صائمہ صدر الدین (آغا خاں پرائمری اسکول) مبینہ عُذیر (پاکستان ایمبیسی اسکول جدّہ) زلیخا مقبول (ہیپی ڈیبل اسکول) عامر لیاقت (برائٹ اسکول) عائشہ جیوانی (راشد منہاس اسکول) مہ جبیں صادق (لٹل فوکس پیراڈائز اسکول)

دسوں نونہال خوب تیار ہو کر آئے تھے۔ پاکستان سے محبّت سے بھرپور اور سرشار تھے۔ بڑے بڑے نکتے بیان ہوئے۔ اشاروں اشاروں میں زبردست تنقیدیں بھی ہوئیں۔ یہ نونہال آج کی باتیں بھی کر رہے تھے اور مستقبل کا لائحۂ عمل بھی واضح کر رہے تھے۔ ایک نونہال نے تو ڈنکے کی چوٹ پر کہا کہ آپ نے پاکستان کی حفاظت نہیں کی، مگر ہم کریں گے۔ زبردست تالیاں بجیں، جس کا مطلب یہ تھا کہ ہر نونہال اسی قسم کے خیالات رکھتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ منصفین خاصے بلکہ بہت غور سے تقریریں سُن رہے ہیں۔ آپس میں صلاح مشورے بھی ہو رہے ہیں۔ اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کو انعام دیے جائیں۔ اوّل، دوم، سوم تو آنا ہی تھا کسی کو۔

منصفین کی جانب سے بالآخر ڈاکٹر بقائی صاحب تشریف لائے۔ انھوں نے بڑی دل چسپ تقریر کی۔ حیرت کا اظہار کیا کہ پاکستانی بچّے کس قدر سمجھ دار ہیں، ذہین ہیں۔ اُن کا مشورہ تو نونہالانِ وطن کے لیے یہ تھا کہ علم اور عمل سے زندگی بنتی ہے۔ نونہال علم حاصل کریں اور عمل کریں۔

تقریری مقابلے میں انعام پانے والے نونہال ۔ شازیہ فاروق (اوّل) محمد فراز خاں (دوم) اور شاکرہ افتخار (سوم)

منصفین کا فیصلہ تھا: اوّل : شازیہ فاروق دوم : محمد فرانہ خان سوم : شاکرہ افتخار۔
مہمانِ خصوصی جناب حکیم محمد احسن نے بزم ہمدرد نونہال کے ثمر کا سے بڑی پُر معنی باتیں کیں۔ انھوں نے نونہالانِ پاکستان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کی تقریب نہایت اہم ہے۔ آج ملّتِ پاکستان عمرِ عزیز کے چالیس برس گزار چکی ہے۔ یہ قومی اور ملّی فریضہ ہے کہ اس دن کو منایا جائے۔ مجھے یہ تاریخی شرف حاصل ہے کہ قیامِ پاکستان کے وقت میں اس شہر کا میئر تھا۔ میں پہلا شہری تھا جسے قائدِ اعظمؒ کا پاکستان میں استقبال کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

بزم ہمدرد نونہال لاہور میں

لاہور میں پہلی بزم ہمدرد نونہال ۲۷ رمضان ۱۴۰۶ ہجری (۶۔ جون ۱۹۸۶ء) کو منعقد ہوئی تحریکِ پاکستان کے ایک ممتاز لیڈر اور قائدِ اعظم کے ساتھی محترم میاں امیر الدین مہمانِ خصوصی تھے۔ صدارت محترمہ قمر النساء شیرازی نے کی۔ سب سے پہلے جناب پروفیسر محمد عثمان نے جناب حکیم محمد سعید صاحب کا پیغام پڑھ کر سنایا جس میں حکیم صاحب نے لاہور کے نونہالوں کو مبارک باد پیش کی تھی۔
تقریری مقابلے میں ان بچّوں نے حصّہ لیا:۔
(۱) محمد قمر الزماں بھٹّی، گورنمنٹ اسلامیہ ہائی اسکول مزنگ (۲) شہزاد سعید، چوبرجی گارڈن ہائی اسکول (۳) سرور عتیق، مسلم ماڈل ہائی اسکول (۴) سیوزما، سوشل ویلفیر کمیونٹی سنٹر مزنگ

میاں امیر الدین شہزاد سعید، افتخار احمد اور محمد آفتاب کو گھڑیاں انعام میں دے رہے ہیں۔

ڈائس پر
محترمہ قمر النساء شیرازی
محترم میاں امیر الدین
محترم پروفیسر محمد عثمان

(۵) محمد آفتاب، گورنمنٹ اسلامیہ ہائی اسکول، سنت نگر (۶) نعمان بن بشیر، پر بیپ اسکول ایچی سن کالج (۷) عدیلہ مجید، گورنمنٹ لیڈی میکلیگن گرلز ہائی اسکول (۸) خولہ مصطفےٰ بٹ، حامدیہ رضویہ ماڈل اسکول اسلام پورہ (۹) خرم سعید، مون لائٹ اسکول نسبت روڈ (۱۰) جنید بخاری، ابدالی پبلک اسکول (۱۱) افتخار احمد، سنٹرل ماڈل اسکول

نونہال مقرروں کا جوش خروش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ان نونہالوں کی باتیں سننے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ پاکستان کا مستقبل روشن نہیں ہے۔ منصفین میں پاکستان کے نامی گرامی ادیب اور استاد شامل تھے۔ ان کے نام ہیں:

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید صاحب، محترمہ پروفیسر الطاف فاطمہ اور ڈاکٹر محمد اسلم صاحب۔
منصفین نے ان بچّوں کو انعام کا مستحق قرار دیا:

شہزاد سعید (اوّل) افتخار احمد (دوم) محمد آفتاب (سوم)

جناب میاں امیر الدین نے ان تینوں نونہالوں کو اپنے دستِ مبارک سے انعامات تقسیم کیے۔ حاضرین نے اس پروگرام سے متاثر ہو کر محترم حکیم محمد سعید کو خراجِ تحسین پیش کیا کہ انھوں نے لاہور میں بھی اس دل چسپ اور بچّوں کے لیے انتہائی مفید بزم ہمدرد نونہال کا آغاز کیا۔

تقریری مقابلے کے بعد کوئز (معلومات عامہ) کا مقابلہ ہوا۔ کوئز پروگرام میں پاکستان

کے متعلق بچّوں کی معلومات حیرت انگیز تھی۔

ان بچّوں نے انعامات حاصل کیے:

محمد کامران (اوّل)، مس مشہیدہ درانی (دوم)، عائشہ جمیل (دوم)، ملیحہ سونیا (سوم) دوم انعام منصفین کے فیصلے کے مطابق دو نونہالوں کو دیا گیا۔ انعامات مس قمرالنساء شیرازی نے تقسیم کیے۔ جن بچّوں کا پہلا روزہ تھا، اُن کو بزم کی طرف سے ہار پہنائے گئے۔

محترمہ قمرالنساء شیرازی، محمد کامران، مشہیدہ درانی، عائشہ جمیل اور ملیحہ سونیا کو انعام دے رہی ہیں۔

کوئز پروگرام کے جوابات

(۱) بہادر شاہ ظفر (۲) دونوں شہزادوں کے سر قلم کر کے تھال میں بہادر شاہ ظفر کو پیش کیے گئے تھے۔ (۳) جنگِ آزادی (۴) ایمپریس مارکیٹ (۵) فتح علی (۶) سید احمد شہید اور اسماعیل شہید یہاں دفن ہیں۔ (۷) محمد علی جوہر (۸) مولانا شوکت علی کا (۹) ۱۹۰۶ء (۱۰) ٹیکری (۱۱) الامان (۱۲) مطالبہ پاکستان (۱۳) جس روز پہلے مسلمان نے برصغیر کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ (۱۴) تقسیم ہند کا پلان منظور ہوا۔ (۱۵) ۳۔جون ۴۷ء، قائداعظم نے (۱۶) جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں ادھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے (۱۷) مولانا ظفر علی خاں (۱۸) بیگم محمد علی جوہر (۱۹) فاطمہ صغرا (۲۰) ۲۷ رمضان ۱۲ بجکر ایک منٹ ۱۳۶۶ ہجری لاہور ریڈیو اسٹیشن سے (۲۱) ایران۔

توتا آزاد ہوگیا

کنیز فاطمہ غازی

پیارے بچّو! آج ہمارا دل چاہ رہا ہے کہ آپ کو ایک کہانی سُنائیں۔ ننھّی مُنّی کہانی، اگر آپ کو یہ کہانی پسند آئی تو ہم آپ کو اور بھی کہانی سنائیں گے، لیکن ہر وقت نہیں۔ آپ نے بھی سُنا ہو گا کہ ہر وقت کہانیاں سُننے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں، لیکن یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ آپ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔ ہم تو اپنی نانی ماں کی یہ بات فوراً مان لیا کرتے تھے، بلکہ فکر مند بھی ہو جاتے تھے کہ بے چارہ مسافر راستہ بھٹک گیا تو گھر کیسے پہنچے گا۔ اُس کے بچّے اُس کا انتظار کرتے کرتے تھک جائیں گے، لیکن ٹھیک کہا آپ نے۔ یہ بات آپ مان ہی نہیں سکتے۔ آپ تو اس زمانے کے بچّے ہیں

جب دنیا چاند سے بھی آگے پہنچ چکی ہے اور یوں بھی اب مسافر اکیلا تو سفر کرتا نہیں کہ راستہ بھٹک جائے۔ بس میں، ویگن میں، ہوائی جہاز اور ریل میں سفر کرتا ہے اور یہ سب مقررہ راستوں پر چلتے ہیں، اس لیے مسافر کے راستہ بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خیر چلو اب کہانی سنو۔

ایک لڑکا تھا۔ چھوٹا سا ننّھا مُنّا۔ وہ اپنے چھوٹے سے گھر میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کو چھوٹے چھوٹے بچّے بہت پسند تھے۔ وہ جانوروں سے بھی پیار کرتا تھا۔ آپ کیا کہنے کو بے چین ہیں گڈّو، یہی نا کہ جانوروں سے آپ کو بھی پیار ہے۔ ٹھیک ہے بھئی ٹھیک ہے۔ سب ہی بچّے جانوروں سے بہت پیار کرتے ہیں۔ اس لڑکے کو کبھی راستے میں یا گلی میں مرغی، بلّی یا کتّے کا بچّہ نظر آجاتا تو وہ اس کو پکڑ کر گھر لے آتا کہ پالوں گا، مگر اس کی امّی کو جانوروں کے یہ بچّے پالنا بالکل پسند نہیں تھا۔ اچھا ٹیپو آپ کی امّی کو بھی پسند نہیں ہے۔ شاید ساری امّیاں ایک سی ہوتی ہیں۔ جو بات بچّوں کو پسند ہوتی ہے وہ امّیوں کو پسند نہیں ہوتی اور جو بات امّیوں کو پسند ہوتی ہے وہ بچّوں کو بالکل اچھی نہیں لگتی۔ لیکن خیر ایک نہ ایک وقت زندگی میں ایسا آہی جاتا ہے جب امّی اور بچّے ایک ہی طرح کی چیزیں پسند کرنے لگتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ بچّوں کی سمجھ میں آجاتا ہے کہ امّی کے کسی کام سے منع کرنے میں کیا راز ہے اور جب بات سب کی سمجھ میں آجائے تو سارے اختلافات دُور ہو جاتے ہیں۔ جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔

ہم آپ کو اس پیارے پیارے بچّے کا نام تو بتانا ہی بھول گئے۔ اس کا نام ہے قذافی۔ قذافی جب بھی کسی بلّی کے بچّے کو پکڑ کر لاتا امّی کے منع کرنے پر تھوڑی دیر کھیل کر چھوڑ دیتا، مگر قذافی کا بہت دل چاہتا کہ اس کے پاس ہرے ہرے خوب صورت پَروں والا توتا ہو۔ سرخ سرخ مڑی ہوئی چونچ کتنی پیاری لگتی ہے۔ وہ اکثر اپنے امّی ابّو سے کہتا مجھے توتا لادیں میں پالوں گا، مگر امّی ابّو کہتے، بیٹا! بے زبان جانوروں کی آزادی چھین لینا اور انھیں قید کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ امّی ابّو کے آگے قذافی کی ایک نہ چلتی اور وہ خاموش ہو جاتا، مگر وہ چُپکے چُپکے دل ہی دل میں اللہ میاں سے دُعا کیا کرتا۔ اللہ میاں! مجھے ایک پیارا سا توتا دے دے، میں اُسے پالوں گا۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اللہ میاں سچے دل سے دعا مانگنے والوں کی دعا کبھی رَد نہیں کرتا اور پھر اگر دعا مانگنے والا بچّہ ہو تو اس کی دُعا یوں جھٹ پٹ پوری ہو جاتی ہے کہ اُسے یقین ہی نہیں آتا کہ یہ خواب ہے یا حقیقت۔

ایک دن اچانک اللہ میاں نے قذافی کی دعا قبول کر لی اور اُس کے گھر کے سامنے والے میدان میں ایک توتے کا مُنّا سا بچّہ کسی درخت کے گھونسلے سے اُڑنے کی کوشش میں ہانپتا کانپتا آن گرا۔ قذافی نے اُسے دوڑ کر رومال سے پکڑ لیا اور گھر میں لا کر پنجرے میں بند کر دیا۔ مٹھو اتنا مُنّا سا تھا کہ اُس کے اُڑنے والے مضبوط پَر بھی ابھی ٹھیک سے نہیں نکلے تھے۔ اس کی چونچ بھی گہری سرخ نہیں ہوئی تھی اور گردن کا ہار بھی واضح نہیں تھا۔ قذافی ڈر رہا تھا کہ امّی ڈانٹیں گی اور مٹھو کو آزاد کرنے کے لیے کہیں گی، لیکن امّی نے ایسا نہیں کیا۔ قذافی سے رہا نہیں گیا۔ اُس نے امّی سے پوچھا، "امّی، آپ نے اِسے آزاد کرنے کے لیے کیوں نہیں کہا؟" امی نے بتایا کہ یہ بہت چھوٹا بچّہ ہے۔ ابھی اُڑ نہیں سکے گا اور آسانی سے کسی بلّی کا نوالہ بن جائے گا۔

دیکھا آپ نے بچّو، اللہ میاں نے قذافی کی دعا کس طرح پوری کی تھی کہ امّی بھی ناراض نہیں ہوئیں اور پالنے کو پیارا پیارا مُنّا سا توتا مل گیا۔ قذافی بہت خوش تھا۔ اُس نے چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں پانی اور دانے کا انتظام کیا۔ اسکول جانے سے پہلے وہ اچھی طرح اُس کے دانے اور پانی کا بندوبست کر جاتا۔ اسکول سے آ کر اس سے کھیلتا۔ اب توتا اتنا مانوس ہو گیا تھا کہ وہ قذافی اور اُس کے گھر کے لوگوں سے بالکل نہیں ڈرتا تھا۔ قذافی کے گھر کے پچھلے صحن کی چھت پر جالی لگی ہوئی تھی اور کسی بلّی کے کُودنے کا خطرہ نہیں تھا، اس لیے قذافی نے توتے کو پنجرے سے نکال کر صحن میں کُھلا رکھنا شروع کر دیا۔ مٹھو بیٹا بڑا خوش تھا۔ صحن میں اِدھر اُدھر چہل قدمی کیا کرتا، کیوں کہ اس کے بازو ابھی اتنے طاقت وَر نہیں ہوئے تھے کہ اُڑ سکتا۔

قذافی کو آم، آئس کریم اور کیک بہت پسند تھے۔ اُس نے یہ بھی سُن رکھا تھا کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرو، وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کیا کرو۔ قذافی مٹھو کو بھی یہ چیزیں کھلاتا اور مٹھو بڑے شوق سے یہ سب کھاتا۔ آئس کریم مٹھو کو بھی بہت پسند تھی۔

گھر میں رہتے رہتے مٹھو اتنا ہوشیار ہو گیا تھا کہ جب وہ کھانے کی میز پر سب کو کھانے کے لیے جمع دیکھتا تو وہ آس پاس گھومنے لگتا، جیسے کہہ رہا ہو کہ مجھے بھی کھانا دو، مجھے کیوں بھول گئے ہو۔ پھر قذافی کے ہاتھ سے اپنے حصّے کا کھانا لے کر کھانے لگتا۔

دن گزرنے لگے۔ مٹھو کی چونچ کا رنگ گہرا سرخ ہو گیا۔ پروں کا رنگ بھی خوب گہرا ہرا ہو گیا۔ گردن کی کنٹھی خوب واضح ہو گئی اور پروں میں اتنی طاقت آ گئی کہ مٹھو صحن میں لگی جالی کی چھت تک پرواز کرنے لگا۔ جالی کے اوپر بیٹھنے والی چڑیوں سے بھی اس کی دوستی ہو گئی تھی، کیوں کہ جب چڑیاں اوپر سے چوں چوں چوں چوں کرتیں تو مٹھو بھی انھی کی بولی میں جواب دیتا اور قذافی سمجھتا کہ ہمارے صحن میں کوئی چڑیا آ گئی ہے، مگر یہ تو مٹھو تھا جو چڑیوں کی آواز نکالتا۔ چڑیوں سے انھیں کی زبان میں بات کرتا۔ چڑیاں خوش ہو کر اور شور مچاتیں اور مٹھو پھر ان کی بولی میں جواب دیتا۔

روزانہ مٹھو اور چڑیوں کو باتیں کرتے دیکھ کر قذافی نے مٹھو سے ایک سبق یہ سیکھا کہ ہم کوئی بھی زبان بولتے ہوں بے شک اپنی زبان سے محبّت کریں، لیکن اگر دوسرے

کی بولی بھی تھوڑی بہت سیکھ لیں تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور ہمیں ان کی محبّت اور دوستی حاصل ہوتی ہے اور اس محبّت کا کوئی بدل نہیں۔

مٹھو جب بہت خوش ہوتا تو اپنی بولی میں ٹیں ٹیں کے گیت اَلاپتا۔ مٹھو دن بھر تو صحن میں گھومتا مگر شام ہوتی تو خود بہ خود پنجرے میں بند ہونا پسند کرتا۔ اگر کبھی پنجرے کا دروازہ بند ہوتا تو وہ میز پر چڑھ کر اپنی خاموشی سے یاد دِلاتا کہ میرا سونے کا وقت ہو گیا ہے اور میں اپنے چھوٹے سے گھر میں سونا چاہتا ہوں اور پھر پنجرہ قریب لاتے ہی اس میں آرام سے چلا جاتا۔ حال آنکہ دن میں لاکھ کوشش کر لو وہ پنجرے میں جانا پسند نہیں کرتا تھا۔

ایک دن قذافی کی چھٹّی تھی اور میاں مٹھو خوب خوش تھے، خوب چہک رہے تھے۔ ٹیں ٹیں کر کے گھر سَر پر اُٹھا لیا تھا۔ قذافی کو شرارت سوجھی۔ اُس نے اپنے مٹھو کی آواز ٹیپ میں بند کر لی۔ اب جب میاں مٹھو چپ ہوئے تو ٹیپ رِکارڈر چلا دیا، جس میں مٹھو کی آواز تھی۔ قذافی نے اور سب گھر والوں نے دیکھا کہ میاں مٹھو بے چینی سے آواز کو سنتے ہیں اور اس توتے کو ڈھونڈھ رہے ہیں، جس کی آواز انھیں سُنائی دے رہی تھی اور ساتھ ساتھ ٹیں ٹیں کر کے جواب بھی دے رہے تھے، لیکن وہاں کوئی اور توتا تو تھا نہیں۔ یہ تو ٹیپ میں بند مٹھو کی ہی آواز تھی۔

قذافی بھی آپ لوگوں کی طرح ایک سمجھ دار بچّہ ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ اب میاں مٹھو بڑے ہو گئے ہیں اور اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔ چوں کہ اب یہ اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں اس لیے اب ان کو آزاد کر دینا چاہیے۔ یہ اگست کا مہینہ تھا۔ قذافی نے سوچا کہ ۱۴ اگست میں ابھی آٹھ دس دن باقی ہیں۔ اتنے دِنوں تک مٹھو کو روزانہ پنجرے میں چھت پر لے جائیں گے تاکہ وہ کھُلا آسمان دیکھ لے۔ اب میاں مٹھو کو خود اپنی حفاظت آپ کرنی ہو گی۔ اس لیے وہ اپنے اُڑنے کے راستے وغیرہ کو بھی سمجھ لیں گے اور پھر چودہ اگست کو میاں مٹھو کو آزاد کر کے ہم اپنا جشنِ آزادی منائیں گے۔ یہ سوچ کر قذافی پانچ اگست کی صبح پنجرہ لے کر چھت پر پہنچ گیا۔ سامنے گھنا آم کا درخت تھا اور پرندے اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔

میاں مٹھو آنکھیں گھما گھما کر سب کچھ سمجھنے کی کوشش کرتے رہے، پھر نیچے لا کر قذافی نے میاں مٹھو کو کھولا اور ناشتا دیا، مگر یہ کیا میاں مٹھو سخت ناراض تھے۔ اپنی گردن کو پَروں میں چھپائے سارا دن بغیر کچھ کھائے پیے گزار دیا۔ رات پنجرے میں بھی بڑی مشکل سے گئے۔ دوسرے دن صبح پھر قذافی پنجرہ لے کر چھت پر پہنچا۔ میاں مٹھو آنکھیں گھما گھما کر دیکھتے رہے۔ نیچے آکر وہی ناراضگی۔ بڑی مشکل سے اپنے پسندیدہ کیک کے چند ذرّے کھائے، پھر وہی ناراضگی۔

یہ ٹھیک ہے کہ یہ سب کا فیصلہ تھا کہ میاں مٹھو کو چودہ اگست کو آزادی دے دی جائے گی اور ابھی تو چھے اگست ہی ہوئی تھی۔ میاں مٹھو نے اگر کھانا پینا اسی طرح چھوڑے رکھا تو آٹھ دس دن میں وہ بہت کم زور ہو جائیں گے اور پھر کیا ہو گا۔ وہ کسی بلّی یا بچّے کے قبضے میں آجائیں گے۔ معاملہ بہت اہم تھا۔ میاں مٹھو کی جان خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ آخر یہ ایک زندگی کا معاملہ تھا۔ قذافی نے سُن رکھا تھا کہ بعض توتے دو سو سال تک زندہ رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میرا مٹھو بھی دو سو سال تک جی لے۔

بس پھر سارے گھر والوں نے مل کر ہنگامی اجلاس بُلایا۔ آخر بحث و مباحثے کے بعد سب کو اپنا پرانا فیصلہ بدلنا پڑا اور طے یہ ہوا کہ کل سات اگست کو قذافی کی سال گرہ ہے بس میاں مٹھو کو صبح سویرے آزاد کر کے سال گرہ منائیں گے، تاکہ مٹھو میاں جن کے دل میں آزادی کی آرزو بھڑک اُٹھی ہے بھوکے رہ کر خود کو ہلاک نہ کر ڈالیں۔ چھے اگست کا دن بھی میاں مٹھو نے اسی طرح مشکل سے چند ذرّے کھا کر گزارا۔ آزادی حاصل کرنے کی جو خواہش ان کے دل میں پیدا ہو گئی تھی تو اب اُن کا دل کسی چیز میں نہیں لگ رہا تھا۔ بس پروں میں منھ چھپائے پڑے رہے۔ دراصل جب تک انھوں نے آزادی کا اُجالا نہیں دیکھا تھا وہ صحن میں خوش تھے، لیکن اب اُن کا دل اپنی پسند کی چیزیں کھانے کو بھی نہیں چاہتا تھا بس ایک تڑپ تھی کہ کسی طرح آزاد ہو جائیں۔ ہنگامی اجلاس کے فیصلے کے مطابق سات اگست کی صبح کو سارا گھر قذافی کی قیادت میں چھت پر جمع ہوا۔ قذافی نے اپنے توتے سے کہا دیکھو کسی جانور کا نوالہ نہیں بننا اور نہ کسی بچّے کے ہاتھ آنا۔ مٹھو نے یوں دیکھا جیسے سب سمجھ رہا ہو۔ پھر قذافی نے پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ میاں مٹھو

ذرا ٹھٹکے، آگے بڑھے اور پر پھیلائے۔ یوں لگنے لگا کہ ابھی وہ سامنے کے صحن میں گر جائیں گے، مگر انھوں نے ہمّت کی اور ذرا اونچی پرواز کر کے آم کے درخت کی ایک شاخ پر بیٹھ گئے۔
سب کافی دیر تک میاں مٹھو کو آزادی کی نعمت سے لطف اندوز ہوتے دیکھتے رہے۔ میاں مٹھو کبھی ایک شاخ سے دوسری پر جاتے اور کبھی نرم پتّوں کو چونچ میں دبا لیتے، کبھی ہرے پتوں کے بیچ میں ایسے لاپتا ہو جاتے کہ ان کا ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا۔ پھر کبھی نظر آنے لگتے۔

قذافی کو مٹھو میاں سے بڑی محبت تھی اور اس کی جدائی کا ان کو بہت رنج تھا، لیکن مٹھو آزاد ہو کر بہت خوش تھا، اس لیے قذافی بھی اس کو آزادی دے کر خوش تھے۔

ننّھا سُراغ رساں

(کہانیاں)

مُصنّف

مسعود احمد برکاتی و دیگر

بچّے اور نوجوان بھی بہادری اور سُراغ رسانی کے کام کر سکتے ہیں۔ سراغ رسانی اور بہادرانہ کارناموں کی یہ اچھی کہانیاں پڑھیے۔ ان میں :-

★ ایک ننھا سُراغ رساں ایک تلوار پر کھدی ہوئی عبارت پڑھ کر دلیل سے ثابت کرتا ہے کہ وہ تلوار کبھی امریکی جنرل جیکسن کے پاس نہیں رہی تھی۔ ★ جرمنی میں جنگی قیدی لکڑی کے گھوڑے کے نیچے زمین میں سرنگ بنا کر فرار ہو جاتے ہیں ★ ایک بچہ سرکس میں لکڑی کے شیر کے پیٹ میں چھُپائے ہوئے جواہرات کا کھوج لگاتا ہے۔ ★ اس کے علاوہ جواہرات پر ڈاکا ڈالنے کے لیے ہوائی جہاز کو ہائی جیک (اغوا) کرنے کا سنسنی خیز واقعہ پڑھیے۔

قیمت ۵/۰۰ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد
کراچی ۱۸

یکم جولائی سے

تمام روزی کمانے والوں کو

جنکی عمریں ۲۰ اور ۶۰ سال کے درمیان ہیں

روزی کمانے والوں کی حادثاتی موت کی بیمہ اسکیم کے تحت سرکاری خرچ پر بیمہ کا تحفظ حاصِل ہوگیا ہے

پاکستان میں مقیم تمام روزی کمانے والے جو یکم جولائی ۱۹۸۶ء کو یا اس کے بعد اسکیم میں درج شدہ تفصیلات کے مطابق حادثاتی موت کا شکار ہوں گے اُن کے حقیقی ورثار کو مبلغ دس ہزار روپے کا متعینہ معاوضہ ادا کیا جائے گا۔

اسکیم کی تفصیلات اور فارم دعویٰ، پاکستان اور آزاد جموّں وکشمیر میں اسٹیٹ لائف کے علاقائی دفاتر، گروپ و پینشن کے دفاتر، سیکٹر اور سب سیکٹر کے دفاتر اور ایریا آفیسرز سے جن کی تعداد تقریباً ۲۰۰ ہے، حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

اسکیم کے تحت معاوضے کا دعویٰ اسٹیٹ لائف کے پاس روزی کمانے والے کی حادثاتی موت کے ۱۲۰ دن کے اندر اندر پہونچ جانا چاہیئے۔

اسٹیٹ لائف

انشورنس کارپوریشن آف پاکستان

UNITED

PID-1-12/86

• استاد: (شاگرد سے) سعید بتاؤ، خلوص، محبت اور مروّت میں کیا بات مشترک ہے؟

شاگرد: جناب، یہ تینوں چیزیں صرف کتابوں میں ملتی ہیں۔

مرسلہ: شفاء الحسن انصاری، پرانا سکھر

• ایک ڈاکٹر کام یابی کے موضوع پر تقریر کر رہا تھا۔ "ڈاکٹر کی کام یابی میں اس کی فیس کا بہت دخل ہے۔ میری ہی مثال لیجیے، اگر میں کسی مریض کو دیکھنے جاؤں تو پچاس رُپے لیتا ہوں، اگر مریض میرے مطب میں آئے تو بیس رُپے دینے پڑتے ہیں اور اگر کوئی شخص ٹیلے فون پر طبی مشورہ کرے تو میری فیس دس رُپے ہوتی ہے۔"

اچانک ایک کونے سے آواز آئی، "ڈاکٹر صاحب، اگر آپ کسی مریض کے قریب سے گزریں تو آپ کی فیس کتنی ہو گی؟"

مرسلہ: نبی بخش گشکوری، مظفر گڑھ

• استانی نے بچّے سے انتہائی غضب ناک ہو کر کہا، "تم نے اس قدر خراب مضمون لکھا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ تمھارے والد کو دکھانے کے لیے بھیج دوں۔"

بچّے نے معصومیت سے کہا، "مس، انھیں دکھانے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ اتھوں نے ہی یہ مضمون لکھ کر دیا ہے۔"

مرسلہ: سید امتیاز علی زیدی، کراچی

• پوتا: دادا جان، کیا آپ کے منھ میں دانت ہیں؟

دادا جان: نہیں بیٹا، کیا کام ہے؟

پوتا: ذرا میرے اخروٹ رکھ لیجیے میں ابھی آیا۔

• ایک پادری نے وعظ کرتے کرتے ساحعین سے کہا، "بتاؤ دنیاوی خوشی کی کیا قیمت ہے؟" ایک سوداگر جو اد نگھ رہا تھا چونک کر بولا:

"چار آنے درجن۔"

مرسلہ: عظمیٰ احمد، فیصل آباد

• خاوند قمیص کا بٹن ٹانک رہا تھا۔ بیوی نے کہا، "سوئی غلط ہاتھ میں ہے۔"

خاوند نے کہا، "ہاں، اسے تمھارے ہاتھ میں ہونا چاہیے تھا۔"

مرسلہ: سجاد احمد بلوچ، ڈیرہ غازی خان

◉ استاد: جانوروں کے بال کیوں بڑے ہوتے ہیں؟
شاگرد: اس لیے کہ جنگل میں کوئی حجامت کرنے والا نہیں ہوتا۔

◉ لڑکا: ڈاکٹر صاحب! آپ کے پاس درد کی دوا ہے؟

ڈاکٹر: درد کہاں ہو رہا ہے؟"

لڑکا: ابھی درد نہیں ہوا۔ ٹھیر کر ہوگا۔ ابا جان امتحان کا نتیجہ دیکھ کر آتے ہی ہوں گے۔

مرسلہ: محمد جاوید حسین، سرگودھا

◉ ایک چھوٹی سی بچّی کی اپنی سہیلی سے زوردار لڑائی ہوگئی۔ بچّی کی ماں اُسے سمجھانے لگی:

"یاد رکھو، سہیلی کے بال کھسوٹنے پر تمھیں شیطان نے اُکسایا تھا۔"

بچّی بولی، "ایسا ہی ہوگا، مگر اس کے لات جمانے کا خیال میرا اپنا تھا۔"

مرسلہ: شاد ایم منیر فاضل، جنگ شاہی

◉ ایک آدمی کو یہ وہم ہوگیا کہ اس کے پیٹ میں بلّی ہے۔ کئی سال ہوگئے، مگر ڈاکٹروں کے سمجھانے کے باوجود اس کے دل سے یہ وہم نہیں نکلا۔ اتفاق سے اس کی آنت کا منھ بڑھ گیا اور اپریشن کرنا پڑا۔ ڈاکٹروں نے سوچا یہ اچھا موقع ہے۔ انھوں نے اپریشن کے بعد اس کو ایک کالی بلّی دکھا کر کہا کہ آخر ہم نے تمھارے پیٹ میں سے بلّی نکال دی۔

مریض نے بلّی کو دیکھا اور غصّے سے چیخا: "غلط، وہ سفید بلّی تھی۔"

مرسلہ: صالحہ مسعود برکاتی، کراچی

◉ کتاب بیچنے والا: "تم ہر روز آتے ہو، کتابیں اُلٹ پلٹ کر چلے جاتے ہو، خریدتے کچھ نہیں۔"

لڑکا: واہ، میں ہر روز دو تین رسالے لے جاتا ہوں، اگر آپ کو پتا نہ چلے تو میں کیا کروں۔ (نام نامعلوم

◉ پہلا بے وقوف: تمھیں معلوم ہے قیامت کے دوسرے دن اخبار میں کیا خبر چھپے گی؟"

دوسرا بے وقوف: مجھے تم اتنا بے وقوف نہ سمجھو۔ ہر خاص دن کے بعد اگلے روز اخبار کی چھٹی ہوتی ہے۔"

مرسلہ: عبدالستار، حیدرآباد

◉ ماں نے بیٹے کو اخبار سے خبر سناتے ہوئے کہا، "بھینس نے اسکول ماسٹر پر حملہ کر دیا۔"

منّا کہنے لگا، "مگر امّی اس کو کیسے پتا چلا کہ یہ اسکول ماسٹر ہیں؟"

◉ نازیہ: امّی! آج میں نے عجیب منظر دیکھا۔

ماں: وہ کیا؟"

نازیہ: آج ہماری مِس ہنس رہی تھیں۔

مرسلہ: ثمینہ اقبال، کراچی

◉ دوست (دوسرے دوست سے) تمھاری کار کی رفتار بتانے والا آلہ کہاں گیا؟

دوسرا دوست: مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی اس لیے فروخت کر دیا۔

پہلا دوست: اب تم کار کی رفتار کا اندازہ کیسے لگا

پیتے ہو؟

دوسرا دوست: بڑی آسانی سے، بیس میل کی رفتار پر گاڑی کا پچھلا حصہ لرزنے لگتا ہے۔ تیس میل پر دروازے بھی لرزنے لگتے ہیں۔ چالیس میل پر پوری گاڑی لرزتی ہے اور پچاس میل پر میں لرزنے لگتا ہوں۔"

● ایک باپ بڑی توجہ اور شفقت سے اپنے ذہین اور شریر بچے کو اخلاق کا درس دے رہا تھا۔ کافی دیر کے بعد باپ نے بچے سے سوال کیا:

"بیٹا، اگر تمھارے سامنے کوئی شخص اپنے گدھے کو پیٹ رہا ہو اور تم جا کر اس شخص کو یہ ظلم کرنے سے باز رکھو تو تمھارے اس عمل کو کیا کہا جائے گا؟"

بچے نے فوراً جواب دیا، "برادرانہ محبت۔"

مرسلہ: مشتاق رحمت اللہ، کراچی

● ایک آدمی لائبریری سے صرف حالی کی کتابیں لیا کرتا تھا۔ ایک بار لائبریرین نے ہنس کر کہا، "آپ ہر بار حالی کی کتابیں لے کر جاتے ہیں، شاید آپ کو ان کی کتابیں بہت پسند ہیں۔"

وہ آدمی بولا، "ایسی کوئی بات نہیں، دراصل مجھے ایک دفعہ حالی کی ایک کتاب سے ۱۰۰ رُپے کا نوٹ ملا تھا۔"

● ایک سردار جی (سکھ) ہندُستان سے لاہور آئے ہوئے تھے۔ وہ ایک دن انار کلی بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک دُکان پر ایک خوب صورت سی تھرمس دیکھی۔ انھیں کسی نے بتایا تھا کہ لاہور کے دُکان دار ہر چیز کی دُوگنی قیمت بتاتے ہیں اور پھر آدھی قیمت میں دے دیتے ہیں۔

سردار جی نے دُکان دار سے قیمت پوچھی تو اس نے کہا، "بیس رُپے۔"

سردار جی فوراً بولے، "دس رُپے دوں گا۔"

دکان دار نے کہا، "سردار جی، یہ تو بہت کم ہے۔ اچھا چلیے پندرہ رُپے دے دیں۔"

سردار جی بولے، "ساڑھے سات دوں گا۔"

دُکان دار بڑا حیران ہوا، بولا، "دس رُپے کی تو میں نے خریدی ہے۔ اچھا چلیں آپ دس رُپے ہی دے دیں۔"

اس پر سردار جی بولے، "پانچ رُپے دوں گا۔"

دُکان دار نے عاجز آ کر کہا، "آپ ہمارے مہمان ہیں آپ سے کیا پیسے لوں آپ مفت لے لیں۔"

سردار جی نے کچھ دیر سوچا اور پھر بولے، "دو لوں گا۔"

مرسلہ: ظہیر حسن، لاہور

● جج: "یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ چیزیں تم نے ہی چُرائی تھیں، کیوں کہ ان پر تمھاری انگلیوں کے نشان موجود ہیں۔"

ملزم: میری انگلیوں کے نشان؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے، کیوں کہ اس وقت تو میں نے دستانے پہنے ہوئے تھے۔

مرسلہ: محمد حبیب القادر نزد الفرد ملتان

● وکیل نے اپنے منشی سے پوچھا، "کیا تم نے موکل کو تمام حساب سمجھا دیا؟" "جی ہاں، میں نے سارا حساب اُسے سمجھا دیا۔" "پھر اس نے کیا کہا؟" وکیل نے پوچھا۔ "حساب دیکھ کر اس نے کہا، "جہنم میں جاؤ۔" بس میں آپ کے کمرے میں چلا آیا۔" منشی نے جواب دیا۔

مرسلہ: حافظ سلمان بابر، گوجرانوالہ

اس شمارے کے مشکل الفاظ

نونہالوں کی خواہش پر ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا جا رہا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے۔
یہ اشارے اس طرح لکھے ہوں گے، ع: عربی، ف: فارسی، ہ: ہندی، س: سنسکرت، ت: ترکی، انگ: انگریزی، ا: اردو۔

زیرک: (ف) زِ ی رَ کْ : دانا، عقل مند
خالد: (ع) خَا لِ دْ : سدا رہنے والا
مستعد: (ع) مُسْ تَعِدْ : آمادہ، تیار، ہوشیار
فراوانی: (ف) فِ را وَ انی : کثرت، افراط، زیادتی
عجلت: (ع) عُجْ لَتْ : جلدی، تیزی، پھرتی
مجذوب: (ع) مَجْ ذُو بْ : خدا کی محبت میں غرق، دیوانہ، سودائی
شش و پنج: (ف) شَشْ وُ پَنْ جْ : اُدھیڑ بن، گھبراہٹ، تذبذب
اختصار: (ع) اِخْ تِ صَا رْ : خلاصہ، مختصر کلام، بہت سے مطلب کو تھوڑے لفظوں میں ظاہر کرنا
اچنبھا: (ہ) اَ چَنْ بھَا : تعجب ہونا، حیرت کرنا۔
محظوظ: (ع) مَحْ ظُو ظْ : خوش، مسرور، قسمت والا۔
کورنش: (ت) کُو رْ نِشْ : جھک کر سلام کرنا، ایک قسم کا شاہی آداب
گُر: (ہ) گُرْ : اصول، قاعدہ، نکتہ، باریک بات
مہم جو: (ع) مُ ہِمْ جُو : بڑا اور دشوار کام انجام دینے والا، مہم سر کرنے والا، مشکل کام کرنے والا
بے بہرہ: (ف) بے بَہْ رَ ہْ : مفلس، بے نصیب، وہ شخص جو کسی سے فائدہ نہ اٹھائے، گستاخ، بے ادب
ثَوابت: (ع) ثَ وَ ا بِتْ : ثابت کی جمع۔ وہ ستارے جو حرکت نہیں کرتے
درندہ صفت: (ف) دَرِنْ دَا صِفَتْ : درندے جیسی خاصیت رکھنے والا، خوں خوار، وحشی۔
ناشائستہ: (ف) نا شا اِسْ تَہْ : بدتہذیب، نازیبا، نالائق، نامناسب
روا: (ف) رَ وَ ا : جائز، درست
روا: (ف) رَ وَ ا : پورا کرنے والا، جیسے حاجت روا یعنی ضرورت پوری کرنے والا
نمود: (ف) نُ مُو دْ : دکھاوا، نمائش، شان، شہرت
نُمائش: (ف) نُ ما ئِش : دکھاوا، خاص خاص چیزوں کو دکھاوے کے لیے رکھنا، وہ میلا جس میں کئی مقامات اور ملکوں کی چیزیں دکھانے کے لیے رکھی جاتی ہیں

منتخب کہانیاں

اپنا پرچم ایک ہے

سعدیہ سیما

آج اگست کی بارھویں تھی اور ننھے فیصل کی بے چینی عروج پر تھی۔ بے چینی کیوں نہ ہوتی، یوم آزادی کی آمد میں صرف دو دن رہ گئے تھے اور ابھی تک وہ گھر سجانے کے لیے رنگ برنگی جھنڈیاں نہیں لاسکا تھا۔ فیصل اس غفلت کا قصور وار سب ہی کو ٹھیرا رہا تھا۔ اس سال اس کے ابّو اپنے کاروبار کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے ہوئے تھے ورنہ وہ ہر سال اپنے ابّو کے ساتھ بازار جاکر سجاوٹ کا سامان خرید لاتا تھا۔ فیصل کی امّی بھی اپنی گھریلو مصروفیات میں ایسی الجھی رہتیں کہ انھیں رات گئے تک فرصت نہ ملتی۔ رہ گئے دادا جان، تو وہ عمر کے تقاضے کے مطابق بہت کم باہر آتے جاتے تھے، لہٰذا بہ قول فیصل کے دادا جان تو اب مسجد کے علاوہ سارے راستے ہی بھول گئے تھے، لیکن دادا جان اخبارات باقاعدگی سے پڑھا کرتے تھے۔ بعض اوقات فیصل اپنے دادا جان سے روٹھ جاتا تھا، مگر دادا جان اسے جلد ہی اپنی پیاری پیاری باتوں سے منا لیتے تھے۔

کبھی کبھی فیصل کو اپنی چھوٹی عمر پر بھی غصّہ آتا تھا، کیوں کہ وہ ابھی دوسری جماعت میں پڑھتا تھا، لہٰذا جب کبھی وہ اکیلے کسی دوست کے ہاں جانے کی فرمائش کرتا تو اس کے امّی ابّو اس کی اس معصوم سی بات کو خوب صورتی سے ٹال جاتے۔ اس وقت فیصل اللہ میاں سے دعا کرتا کہ کاش میں جلدی سے اتنا بڑا ہو جاؤں کہ امّی ابّو مجھے اکیلے باہر آنے جانے سے نہ روکیں اور میں امی ابو دونوں کو اپنی سائکل پر بٹھا کر خوب سیر کراؤں، بالکل اسی طرح جیسے ابو اسے گاڑی میں بٹھا کر آئس کریم کھلانے لے جاتے ہیں۔ مگر پھر وہ یہ سوچ کر اداس ہو جاتا کہ اس کی تین پہیوں والی سائکل خود اس کی طرح چھوٹی تھی اور وہ امی اور ابو کو اپنی سائکل پر نہیں بٹھا سکتا تھا۔ انھی خیالات میں گم صم جب فیصل صبح اسکول کے کپڑے پہن کر ناشتا کرنے میز پر پہنچا تو خلافِ توقع دادا جان اخبار پڑھنے کے بجائے امّی سے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ انھوں نے فیصل کو دیکھ کر کہا، "بیٹے،

تم آج اتنے چپ چُپ کیوں ہو؟ کہیں ابو تو یاد نہیں آرہے؟ ویسے رات کو آپ کے ابّو کا فون آیا تھا، کیوں کہ رات کا ایک بج گیا تھا، لہٰذا ہم نے تمھیں اٹھانا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ وقت بھی عجیب شے ہے۔ مختلف ملکوں کی تہذیب میں تو خیر فرق ہے ہی، مگر وقت بھی مختلف ملکوں میں الگ الگ ہوتا ہے، جیسے رات کو تمھارے ابو کہہ رہے تھے کہ وہاں صبح کے دس بجے ہیں۔"

"چلو بیٹا، جلدی جلدی ناشتہ کرو، تمھاری اسکول بس آنے والی ہو گی۔" امی نے اپنا روایتی جملہ دُہرایا۔

"داداجان میں سوچ رہا تھا کہ اس مرتبہ ابوجان نہیں ہیں تو میں آزادی کا دن کیسے مناؤں گا۔ یومِ آزادی تو اسی وقت مناسکتے ہیں جب میں اپنے کمرے میں رنگ برنگی جھنڈیاں لہراؤں اور چھت پر خوب اونچا سا پرچم لہراؤں۔ داداجان آپ میرے ساتھ چلیے نا جھنڈیاں خریدنے۔ ویسے بھی میری مِس نے کہا تھا کہ ہر بچّے کو اپنی اپنی کلاس سجانے کے لیے سجاوٹ کی چیزیں خود لانی ہوں گی۔ اس طرح میں یہ جھنڈیاں اسکول بھی لے جاسکوں گا اور گھر بھی سجاؤں گا۔" فیصل نے اپنا ترتیب دیا ہوا پروگرام داداجان کو سُنایا۔

"بھئی ہمیں تو معلوم نہیں کہ یہ جھنڈیاں وغیرہ کہاں ملتی ہیں اور بیٹا ویسے بھی کیا یہ ضروری ہے کہ وطن سے محبّت کا اظہار اس طرح نمود و نمائش پر پیسہ خرچ کر کے کیا جائے؟ بیٹا، وہ لوگ جو اس طرح پیسہ خرچ کرتے ہیں وہ محبّت کرنے والے نہیں بلکہ شان دکھانے والے ہوتے ہیں۔" داداجان نے ناصحانہ انداز اپنایا۔

"نہیں داداجان، مجھے بس جھنڈیاں چاہییں۔ میں نے اسکول جاتے ہوئے راستے میں کئی جگہ جھنڈیاں فروخت ہوتی ہوئی دیکھی ہیں۔ بس آپ وعدہ کریں میرے ساتھ چلیں گے۔" فیصل نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا چلو، اسکول سے تو آجاؤ، پھر انشاء اللہ شام کو ٹھنڈے وقت چلیں گے۔" داداجان نے آخر ہار مان لی۔

باہر اسکول بس کا ہارن سنائی دیا اور فیصل ہاتھ میں بستہ اٹھائے امی اور داداجان کو خدا حافظ کہہ کر باہر کی طرف دوڑا۔ کلاس میں مِس نے آج بھی گزشتہ دنوں کی طرح یومِ آزادی منانے کے سلسلے میں بچّوں کو بتایا۔ کلاس میں موجود ننھے ننھے بچّے مِس کی ہر بات غور سے سُن رہے تھے۔ فیصل کو غصّہ اس وقت آیا جب عنبر، یاسر اور کامران نے مِس کو اپنی لائی ہوئی جھنڈیاں سب سے پہلے دے دیں، ورنہ سب سے پہلے فیصل جھنڈیاں لاکر مِس کے پاس جمع کرواتا تھا۔ مِس کو فیصل کی معصومیت پر ڈھیروں پیار آیا۔

"مِس میں ہمیشہ سب سے پہلے جھنڈیاں لاتا ہوں۔ اس مرتبہ میرے ابّو ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ آپ عنبر، یاسر اور کامران کی لائی ہوئی جھنڈیاں واپس کر دیجیے۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں آج ہی داداجان کے ساتھ

جاکر یہ چیزیں لاؤں گا۔ پھر جب میں یہ جھنڈیاں لاکر آپ کو دے دوں تو آپ ان لوگوں سے بھی لے لیجیے گا۔"

"فیصل بیٹا، اگر میں یہ جھنڈیاں واپس کردوں تو کیا ان تین پیارے پیارے بچوں کے دل نہیں ٹوٹیں گے اور آپ کو تو معلوم ہی ہے ناکہ کسی کا دل توڑنا کتنی بری بات ہے۔ کیا ہوا جو آج یہ لوگ سب سے پہلے جھنڈیاں لائے ہیں۔ کل آپ سب سے پہلے آکر جھنڈیاں میرے پاس جمع کرادیں۔"

فیصل کی مس نے اسے پوری بات آسان لفظوں میں سمجھائی۔ ابھی وہ بات ختم ہی کر رہی تھیں کہ ہیڈ مسٹریس کلاس میں داخل ہوئیں اور تمام بچے احتراماً کھڑے ہو گئے۔

"بچو! آج میں آپ سے ایک خاص بات کرنے آئی ہوں۔ جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ آزادی کے دن کو ہم اس لیے جوش خروش سے مناتے ہیں کہ یہ ہماری آزادی کا دن ہے۔ اس سلسلے میں آپ لوگ سجاوٹ کی چیزیں لاکر اپنی مس کے پاس جمع کرادیں۔ یہ تو خیر وہ باتیں ہوئیں جو پہلے بھی آپ کو بتائی جاچکی ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ آپ سب بچے جھنڈیاں وغیرہ یا پرچم اسکول اور اپنے اپنے گھروں میں لگائیں گے اس میں ایک بات کا خیال رکھیں کہ وہ پیروں میں نہ آنے پائیں۔ انھیں اس طرح باندھا جائے کہ وہ زمین پر نہ بکھریں۔ اگر آپ میں سے کوئی ایسی جھنڈی زمین پر پڑی دیکھے تو اسے فوراً اُٹھا لیجیے، کیوں کہ یہ آپ کا قومی پرچم ہے اور اس کا مقام بہت بلند ہے اور اس کا احترام ہم سب پر واجب ہے۔ آپ لوگ اپنے دوسرے دوستوں اور ساتھیوں کو اب جھنڈیوں کے سلسلے میں احتیاط برتنے کی ہدایت کریں، کیوں کہ قومی پرچم چاہے کپڑے کا ہو یا کاغذ کا، وہ ہمیشہ ہمارا پاکستانی پرچم ہی رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ اسکول میں تو یونیفارم پہنتے ہیں مگر گھر پر دوسرے کپڑے، مگر رہتے تو آپ ہمیشہ پاکستانی بچے ہی ہیں اور آپ کے امّی ابّو دونوں ہی حالتوں میں آپ کو بہت پیار کرتے ہیں، لہٰذا ہمیں اس پرچم سے پیار کرنا ہے، کیوں کہ اس کو ہم نے بہت مشکلوں سے حاصل کیا ہے۔"

فیصل نے ہیڈ مسٹریس کی بات کو بہت غور سے سُنا اور عنبر، یاسر اور کامران کے بارے میں ہونے والی گفت گو کو بالکل بھول گیا۔

"داداجان آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے نا؟" گھر پہنچتے ہی فیصل داداجان کے کمرے میں چلا آیا۔

"ہاں فیصل بیٹے، ہمیں وعدہ اچھی طرح یاد ہے۔ تم جاکر کپڑے تبدیل کرو، کھانا کھاؤ اور کچھ دیر آرام کر لو، پھر عصر کی نماز ہمارے ساتھ چلنا، واپسی پر تمھیں جھنڈیاں وغیرہ بھی لادیں گے۔"

شام کو فیصل جلد ہی سو کر اُٹھ گیا، کیوں کہ اس کے ابّو کا دوبارہ فون آیا تھا۔ یہ بات فیصل کے لیے بہت

خوشی کا باعث تھی کہ اس کے ابّو ۱۶۔ اگست کو واپس آرہے تھے، مگر ساتھ ہی اسے یہ افسوس بھی تھا کہ اس مرتبہ ابّو اس کے ساتھ یوم آزادی پر اسکول نہ جا سکیں گے، اگر یاسر، عنبر اور کامران اپنے ابّو کے ساتھ آگئے تو پھر وہ لوگ میرا مذاق اڑائیں گے۔ فیصل کے ننّھے ذہن میں خدشہ پیدا ہوا، مگر میں اپنے ساتھ دادا ابّا کو لے جاؤں گا۔ یہ سوچ کر فیصل مطمئن ہو گیا۔ حسبِ وعدہ دادا جان عصر کی نماز میں فیصل کو ساتھ لے گئے۔ نماز میں بھی فیصل نے ڈھیر ساری دعائیں کیں۔ دعا کرتے ہوئے نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں میں نمی آگئی۔ کوئی معصوم بچّہ جب اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اُٹھائے دعا کرتا نظر آتا ہے تو لگتا ہے کہ بندے اور معبود کے فاصلے سمٹ گئے ہوں۔ نماز سے فارغ ہو کر فیصل نے بے اختیار دادا جان سے پوچھا، "دادا جان، ہم پرسوں پاکستان کی کون سی سال گرہ منائیں گے؟"

"بیٹا، ہمارا پاکستان انشاء اللہ پرسوں ۳۹ سال کا ہو جائے گا۔ تم سے پورے بتیس سال بڑا۔" دادا جان نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی۔ "دادا جان، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں پاکستان سے بڑا ہو جاؤں؟"

"بیٹا، اس کے لیے تم کو بہت محنت کرنی ہوگی اور کوئی ایسا کام کرنا پڑے گا جو اس پاکستان کے لیے باعثِ فخر ہو۔ بالکل ایسا ہی کام جیسا قائدِ اعظم محمد علی جناح نے انجام دیا۔" دادا جان نے معصوم ذہن میں اٹھنے والی سوچوں کا بڑا اچھا جواب دیا۔ جھنڈیوں کی دُکان پر پہنچ کر فیصل بہت خوش ہوا۔ اس کے کئی ساتھی اور دوست جھنڈیاں خریدنے میں مصروف تھے۔ کوئی جھنڈیاں خرید رہا تھا تو کوئی اپنی کاپی پر چپکانے کے لیے اسٹکرز۔ بچّے ہاتھوں میں "پاکستان زندہ باد" لکھے ہوئے غبارے اُڑاتے اور اسی قسم کی ٹوپیاں پہنے خوشی سے پھرتے نظر آرہے تھے۔ فیصل نے ڈھیر ساری جھنڈیاں خریدیں اور یہ چیزیں سینے سے لگائے دادا جان کے ساتھ واپسی کی راہ لی۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ اچانک رُکا قبل اس کے کہ دادا جان کچھ پوچھتے وہ تمام جھنڈیاں دادا جان کے ہاتھ میں تھما کر سڑک کی طرف دوڑا۔ دادا جان بھی فیصل کی اس حرکت سے پریشان ہو کر اس کے پیچھے دوڑے۔ انھوں نے فیصل کو سڑک پر جھکتے دیکھا۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہ دیکھ پائے، کیوں کہ تیز رفتار گاڑی کے زبردست بریک لگنے کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی معصوم چیخ نے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ فیصل گاڑی کی زد میں آچکا تھا۔ اسے شدید چوٹیں آئی تھیں۔ دادا جان موجود لوگوں کی مدد سے فیصل کو فوراً قریبی ہسپتال لے گئے۔ ڈاکٹروں نے فیصل کو بچانے کی سرتوڑ کوشش کی، مگر زندگی اور موت کے اس کھیل میں زندگی ہار گئی۔ اچانک دادا جان کی نظر فیصل کی مضبوطی سے بھینچی ہوئی مٹھی کی طرف گئی۔ مٹھی کھولنے پر دادا جان ہی کیا اردگرد کے لوگوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ ساتھ ہی حادثے کی اصل وجہ بھی سامنے آگئی۔ فیصل کی مٹھی میں ایک چھوٹا سا کاغذ کا پاکستانی پرچم دبا ہوا تھا جس کی رنگت ہلکی ہلکی سرخ ہو چکی تھی۔ روتے روتے دادا جان کے کانوں میں ابھی تک

فیصل کے الفاظ گونج رہے تھے، "دادا جان! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں پاکستان سے بڑا ہو جاؤں؟"

محنت کا ثمر

محمد آصف زکریا

"ہمیں خوشی ہے کہ ملک کے نام ور انجینئر امجد صاحب ہماری اس تقریب میں تشریف فرما ہیں۔" جلسے کے سکریٹری کے اس اعلان کے ساتھ ہی ہال تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ امجد صاحب سے سب واقف تھے۔ انھوں نے اپنی اَن تھک محنت سے اپنے ملک کا نام روشن کیا تھا اور اب وہ اپنے ملک کی ایک قابلِ احترام شخصیت بن چکے تھے۔ یہ تقریب امجد صاحب کی اُن خدمات کے اعتراف میں منعقد کی گئی تھی، جو انھوں نے پچھلے بیس برسوں میں اپنے ملک کے لیے کی تھیں۔
تالیوں کی گونج میں امجد صاحب اپنے ماضی کے متعلق سوچ رہے تھے اور ماضی کی یادوں کے دریچے ان کے سامنے کھلتے جا رہے تھے۔ اسکول کی گھنٹی بجی اور بچوں کے چہروں پر خوشی کے آثار نظر آنے لگے۔ چھٹی ملتے ہی سب بچے اسکول سے باہر نکل آئے۔ انھی میں امجد بھی شامل تھا جو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ابھی تک کلاس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ بار بار اپنی ہتھیلیوں کو دیکھ رہا تھا، جسے اس کے استاد نے بید سے سرخ کر دیا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ہر روز اس کے استاد اس کی صرف اس وجہ سے پٹائی کر دیتے تھے کہ وہ پھٹے پرانے کپڑے اور جوتے پہن کر اسکول آتا تھا۔ "آج میں امی اور ابو سے بات کروں گا۔" امجد نے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا۔ اور وہ بوجھل قدموں کے ساتھ گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

"کیا بات ہے بیٹے؟" اس کی ماں نے پیار سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "امی آج پھر....." امجد سے جملہ پوری طرح ادا نہ ہو سکا اور اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ ماں بے چاری کیا کرتی اس کے بھی آنسو نکل آئے۔
رات کو امجد اپنی چارپائی پر لیٹا چھت کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا آخر ہم غریب کیوں ہیں؟ دوسرے لوگ امیر کیوں ہیں؟ ماسٹر صاحب روز مجھے کیوں مارتے ہیں۔ میں .... میں .... محنت کروں گا اور بڑا آدمی بنوں گا۔ پھر دیکھیں گے یہ لوگ ....

"بیٹے! اب تک جاگ رہے ہو؟ تمھاری امی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ بیٹے، تم تو جانتے ہی ہو کہ میری آمدنی بہت کم ہے۔ میں تمھیں نئے کپڑے اور نئے جوتے لے کر نہیں دے سکتا۔ مجھے معاف کر دو میرے بیٹے۔"
"نہیں ابا جان!" امجد نے ان کے ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگا لیے، "ابا جان میں خوب محنت سے پڑھوں گا اور ان شاء اللہ بہت بڑا آدمی بنوں گا۔"

اگلی صبح امجد ایک نئے عزم سے اُٹھا۔ ناشتے کے بعد وہ اسکول کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب امجد بڑی محنت سے پڑھتا۔ ہوم ورک مکمل کرتا۔ جب استاد کوئی سوال پوچھتے تو سب سے پہلے جو ہاتھ اٹھتا، وہ امجد کا ہوتا۔ اب تمام استاد امجد سے خوش تھے۔ اب اُسے کوئی نہیں مارتا تھا۔ ایک دن دوپہر کے وقت جب چھٹی ہوئی تو امجد کے قدم گھر کے بجائے احمد بھیا کے گھر کی طرف اُٹھے۔ ٹھک... ٹھک... ٹھک... امجد نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے احمد بھیا نکلے۔ "آؤ میاں امجد، کیسے آنا ہوا؟" احمد بھیا تمام بچوں کے ہر دل عزیز بھیا تھے۔ وہ بڑے خوش اخلاق تھے۔ بازار میں وہ جوتے بیچا کرتے تھے۔

"احمد بھیا! کیا میں آپ کے ساتھ شامل ہو کر جوتے بیچ سکتا ہوں؟" امجد نے کہا۔ "ہاں بھئی، ضرورت تو ہے کریم چلا گیا ہے۔ یہ کام تم کر سکتے ہو، لیکن تمھاری پڑھائی؟" "وہ بھی جاری رہے گی" اس نے جواب دیا۔ "میں دوپہر سے رات آپ کے پاس آکر کام کروں گا اور صبح کی شفٹ میں اسکول میں پڑھوں گا" امجد نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے تو کل سے کام پر آجاؤ"۔ امجد نے جب والدین کو بتایا تو انھوں نے پہلے تو منع کیا، لیکن پھر بیٹے کی ضد کے آگے ہار مان گئے۔ اب امجد پڑھتا بھی تھا اور کام بھی کرتا تھا۔ امجد کو سائنس سے بڑی دل چسپی تھی۔ وہ ہر چیز کو بہ غور دیکھتا۔ کسی مشین کو دیکھتا تو یہ سوچتا کہ یہ مشین کس طرح کام کرتی ہے۔ وہ جب نیوٹن کا سیب والا واقعہ پڑھتا تو سوچتا کاش میں بھی ایسا کوئی کام کروں۔

دن گزرتے رہے احمد بھیا کی دُکان بھی ترقی کرتی رہی۔ انھوں نے بڑی دُکان خرید لی۔ امجد نے آٹھویں کلاس میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اس نے آئندہ تعلیم کے لیے سائنس کا انتخاب کیا۔ امجد خوب محنت سے پڑھتا۔ اب اس کے والد ضعیف ہو چکے تھے۔ میٹرک کے امتحان کا جب نتیجہ آیا تو امجد نے پورے صوبے میں پہلی پوزیشن حاصل کر لی۔ اب امجد نے اور زیادہ محنت اور توجہ سے تعلیم جاری رکھی اور آخر ایک دن اس نے اپنی محنت سے انجینیرنگ کا امتحان پاس کر لیا۔ اب وہ انجینیر بن چکا تھا۔ اب اس کے پاس رُپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی۔ اس نے نت نئے تجربات کیے۔ نئے نئے نظریے پیش کیے اور اپنے ملک کا نام روشن کیا۔

"اب میں امجد صاحب کو دعوت دوں گا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں" سکریٹری نے اعلان کیا۔ تالیوں کی گونج سے امجد صاحب کے خیالات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ امجد صاحب آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اسٹیج پر آئے اور کہا، "میرے معزز دوستو! مجھے خوشی ہے کہ آپ لوگوں نے مجھے یہاں بُلا کر میری عزت افزائی کی ہے۔ میں اس موقع پر ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ کبھی ہمت نہ ہاریں۔ ہر حال میں حوصلے سے کام لیں۔ محنت کریں۔ آپ اپنے مقصد میں ضرور کام یاب ہوں گے۔ بس میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں محنت، محنت اور محنت۔" حاضرین نے تالیاں بجائیں اور امجد صاحب اپنی جگہ آکر بیٹھ گئے۔ یہ محنت کا ثمر تھا کہ وہ امجد سے انجینیر امجد سعید صاحب بن گیا تھا۔

حمد

مرسلہ: سید منیر علی عادل، کراچی

اے مالکِ ارض و سما
میرے خدا میرے پیارے خدا
جیتے ہیں تیرے حکم سے
تُو نے ہمیں پیدا کیا
محتاج ہیں چھوٹے بڑے
سب کا ہے تو حاجت روا
مختار ہے اِک تُو ہی تو
ہر کام کا مشکل کشا
دے شوق پڑھنے کا ہمیں
کر علم تُو ہم کو عطا
لکھ پڑھ کے ہم اچھے بنیں
نیکی کو پھیلائیں سدا
خدمت کریں ماں باپ کی
سب سے ہو برتاؤ بھلا
ہمسایوں سے مل کر رہیں
بُغض و حسد دل سے مٹا
اپنے وطن سے پیار ہو
ہمدرد دنیا کا بنا
دل کی دُعا مقبول ہو
نیکی کے رستے پر چلا

نعت

مرسلہ: رفیع اللہ بلوچ، خاص صدائی

جب مسجد نبوی کے مینار نظر آئے
اللہ کی رحمت کے آثار نظر آئے
منظر ہو بیاں کیسے الفاظ نہیں ملتے
جس وقت محمدؐ کا دربار نظر آئے
مکّے کی ہواؤں میں طیبہ کی فضاؤں میں
ہم نے تو جدھر دیکھا سرکار نظر آئے

★

عید الاضحیٰ

محمد اسلام، لاہور

بقرعید کو عید الاضحیٰ بھی کہتے ہیں۔ یہ مسلمانوں

کا سال بھر میں خوشی کا دوسرا تہوار ہے۔ اس روز صاحبِ استطاعت لوگ قربانی کرتے ہیں۔ یہ تہوار حج کے بعد منایا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہدایت کی کہ انھیں سب سے زیادہ جو چیز پیاری ہو اُسے اللہ کی راہ میں قربان کر دیا جائے۔ انھیں اپنے بیٹے اسماعیلؑ سب سے زیادہ پیارے تھے۔ چناں چہ انھوں نے حضرت اسماعیل کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے جب ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر ان کے گلے پر چھری چلائی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حضرت اسماعیلؑ کی جگہ ایک دنبہ بھیج دیا اور چھری دنبے کے گلے پر چلی۔ اللہ تعالیٰ کی اس آزمائش میں حضرت ابراہیمؑ پورے اُترے۔ اس واقعے کی یادگار کو تازہ کرنے کے لیے مسلمان ہر سال حج کے بعد قربانی دیتے ہیں، جس میں دنبہ، بکرا، گائے اور اونٹ وغیرہ کی قربانی دی جاتی ہے اور اس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سنّت ادا کی جاتی ہے۔

نمازِ عید، مسجد، عیدگاہ یا کھلی جگہ میں پڑھی جاتی ہے۔ مسلمان ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں اور گھر واپس آکر اپنے اپنے خریدے ہوئے یا پالے ہوئے جانوروں کی قربانی دیتے ہیں۔ اس موقع پر شہروں میں قسائی خوب رُپے کماتے ہیں۔

گوشت غربا میں تقسیم کیا جاتا ہے اور دوست احباب اور رشتے داروں کے گھروں میں بھی پہنچایا جاتا ہے۔ عید کے موقع پر گوشت کی فراوانی ہوتی ہے۔ اور کئی دن یہی عالم رہتا ہے۔ مسلمانوں کے سب ہی تہوار با مقصد ہوتے ہیں۔ یہ محض خوشی کے لیے نہیں ہوتے بلکہ مسلمانوں کی اصلاح، ان میں میل ملاپ اور محبّت، اخوّت اور بھائی چارہ پیدا کرنے کے لیے بھی ہوتے ہیں۔

یومِ آزادی

نوشابہ سلیم، کشمور کالونی

ہم نے آزادی کی نعمت کے ساتھ ساتھ اِن ذمّے داریوں کو بھی قبول کیا جو آزادی کا لازمی نتیجہ ہیں۔ یہ ذمّے داریاں کیا ہیں؟ ذہن کی آزادی، لیکن بے جا خواہشات پر پابندی۔ نیکی سے رغبت، لیکن برائی سے پرہیز۔ اپنی تہذیب سے محبّت، لیکن درآمد شدہ تہذیب سے نفرت۔ دوسری قوموں کی خوبیاں اپنانے کا شوق، لیکن ان کی خرابیوں سے احتراز۔ اتحاد و ایثار سے محبّت، لیکن انتشار و خود غرضی سے نفرت۔ ترقی کی خواہش، لیکن بے حسی کو دور سے سلام۔

ان ذمّے داریوں کو ہم نے ۱۴۔ اگست ہی کو قبول کیا تھا۔ جب ہم نے آزادی کا نعرہ لگایا اور آج سے ۳۹ سال پہلے جب اس نعرے نے عملی شکل اختیار کی تھی تو ہم نے

خون کے دریا سے گزر کر ۱۴۔ اگست کی درخشاں صبح کو اپنا وطن حاصل کر لیا تھا۔

اس وقت بے شمار مصائب کے باوجود ہمارے چہرے خوشی سے تمتما اُٹھے تھے۔ دِلوں کی دھڑکنیں بے پایاں مسرت سے تیز ہو گئی تھیں اور دِلوں میں بے پناہ جوش تھا۔ زمانہ گزرتا گیا اور رفتہ رفتہ ہم آزادی کی ذمے داریوں کو بوجھ سمجھنے لگے۔ ایک ایسا بوجھ جس کو ہم ہر لحظہ اپنے کندھوں سے اُتار پھینکنا چاہتے تھے اور آخر ہمارے ولولے ٹھنڈے پڑ گئے۔ ایثار کی جگہ خود غرضی نے لے لی۔ اسلامی تہذیب کو چھوڑ کر در آمد شدہ تہذیب سے جی لگالیا۔ مرد ہپی بن گئے اور عورتیں خوش رنگ تتلیاں۔ دولت کی ہوس اخوت پر غالب آگئی۔ اتحاد و اتفاق کے بجائے انتشار پھیل گیا۔ اسلامی قدریں مفقود اور اخلاق باختگی عام ہو گئی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ملک و ملّت کی محبت دِلوں سے نکل گئی اور اس کے بجائے اپنی ذات ہماری آرزوؤں کا مرکز بن گئی۔

ان حالات کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ لاکھوں انسانوں کی قربانی اور ماں بہنوں کی عزّت کے لُٹ جانے کے بعد جو ملک حاصل ہوا اس کی حفاظت سے ہم اس طرح غافل ہو گئے جیسے یہ کوئی معمولی بات ہو اور پھر خواتین پر تو اپنے وطن کی حفاظت اور بھی ضروری ہے، کیوں کہ ان کی صنف نے پاکستان کی تشکیل میں جو کردار ادا کیا اور اپنی عزّت اور عصمت کی جو قربانی دی اس سے بڑی متاعِ زندگی میں اور کیا ہو سکتی ہے۔

انسانی ذہن اتنی جلد اتنے گہرے زخموں کو نہیں بھول سکتا۔ یہ چند سال پہلے ہی کی تو بات ہے جن میں پل کر صرف ایک نسل ہی جوان ہوتی ہے۔

جوں جوں پاکستان جوان ہوتا گیا اس سے ہماری وابستگی کم ہوتی گئی اور اب ہر صبح نیا سورج کرنوں کی زبان سے ہم سے سوال کرتا ہے کہ تم نے وہ مقصد کیوں بھلا دیا جس کو حاصل کرنے کے لیے ہماری ماؤں، بہنوں، بیٹیوں نے اپنی عزّت اور اپنی جان قربان کر دی تھی۔ ہم نے اسلام کی عطا کردہ تہذیب کو چھوڑ کر ایسی تہذیب کی غلامی کیوں قبول کی جو سراسر دھوکا اور فریب ہے اور ہمیں بلندی سے پستی کی طرف لیے جا رہی ہے۔ تمھاری آغوش میں اب وہ بچے پروان کیوں نہیں چڑھتے جن کی ہیبت اسلام دشمن قوتوں کو لرزہ براندام کر دیتی تھی، تمھاری صورت و سیرت میں ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کا جذبہ کیوں نمایاں نہیں؟ تمھارے کان ۱۴۔ اگست ۴۷ء کے نعروں کی پکار اور عزم و ہمّت کی ولولہ انگیز آواز کیوں نہیں سنتے۔

اور جب سورج کو کوئی جواب نہیں ملتا تو وہ شرما کر رات کی تاریکی میں اپنا چہرہ چھپا لیتا ہے۔

جاگا جاگا پاکستان

مرسلہ: نسیم اختر، کراچی

اپنے مزدور اور کسان
جنت اپنا ہر کھلیان
جاگا جاگا پاکستان

اپنی مٹی ہے لاثانی　　شہد ہے اپنا بہتا پانی
اپنی خاک پہ ہم قربان
جاگا جاگا پاکستان
رات کے کالے بندھن ٹوٹے　　گھر گھر نور کے چشمے پھوٹے
چمکا اپنا سبز نشان
جاگا جاگا پاکستان
محکم ہے ہر عزم ہمارا　　ہم کو ہے طوفان بھی کنارا
اپنی ہمت ایک چٹان
جاگا جاگا پاکستان

سچی خوشی

مرزا ناصر اقبال بیگ کاشمیری، فیصل آباد

عید کا دن تھا۔ موسم بھی بہت خوش گوار تھا۔ شہباز اپنے خیالوں میں محو چلا جا رہا تھا۔ آج وہ بڑا خوش تھا، خوش کیوں نہ ہوتا، اسے اپنے امی ابو سے دس دس روپے عیدی جو ملی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بازار جا کر اُڑنے والا ہوائی جہاز خریدے گا جو اس نے پرسوں ایک دُکان پر دیکھا تھا۔ یہ ہوائی جہاز اسے اتنا پسند آیا تھا کہ اس نے اسی وقت اسے خریدنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس وقت اس کی جیب میں بیس روپے تھے اور وہ اُڑنے والا ہوائی جہاز اس کے خیالوں میں گشت کر رہا تھا۔

راستے میں اس نے پگڈنڈی کے قریب ایک سایہ دار درخت کے نیچے ایک بڑھیا کو اُداس، افسردہ اور غمگین بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ چلتے چلتے رُک گیا۔ "یہ بڑی بی اتنی اداس کیوں بیٹھی ہیں؟" اس نے سوچا، "آج تو عید ہے۔ سب لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔ پھر یہ بڑی بی.... ضرور ان پر کوئی مصیبت آن پڑی ہے۔" ہوائی جہاز اس کے خیالوں سے پرواز کر گیا۔ اور بڑھیا کو اداس دیکھ کر وہ خود بھی اداس ہو گیا۔ "کیا بات ہے ماں جی؟" اس نے قریب جا کر بڑی بی سے پوچھا۔ "آج تو عید کا دن ہے، پھر بھی آپ اتنی اداس اور غم زدہ بیٹھی ہیں۔" بڑی بی نے سرد آہ بھرتے ہوئے جواب دیا، "بیٹے، کیا پوچھتے ہو، میری بچی بیمار ہے۔ اس کی دوا لانے کے لیے جا رہی تھی کہ راستے میں میرے رُپے گر گئے۔ بہترا اِدھر اُدھر تلاش کیا، مگر نہ ملے۔ میری بچی بخار میں پھنک رہی ہو گی۔" بڑی بی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، "اگر پیسے نہ ملے تو میں اس کی دوا کیسے لاؤں گی؟ وہی رُپے میری کُل پونجی تھے۔" شہباز کو بڑا افسوس ہوا کہ اب وہ اپنی بچی کے لیے دوا نہ لا سکے گی۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اُس نے سوچا، "کیوں نہ میں اپنے بیس رُپے بڑھیا کو.... لیکن.... لیکن میں وہ ہوائی جہاز کیسے خریدوں گا؟" اس کے ضمیر نے اس سے کہا، "شہباز، اپنی خواہشات کو دوسروں پر قربان کر دینا بہت بڑی نیکی ہے۔ تجھے ہوائی جہاز نہ ملا تو کوئی فرق نہ پڑے گا، لیکن بڑی بی کو پیسے نہ ملے تو وہ اپنی بچی کے لیے دوا نہ لا سکیں گی۔" اس نے چند لمحے سوچا۔ بڑی بی کی آنکھوں سے اب بھی غم کے آنسو بہ رہے تھے۔ اس نے بڑے دکھ سے سوچا، سب لوگ عید کی خوشیوں میں مگن ہیں

اور یہ بے چاری اپنی بے کسی کا ماتم کر رہی ہے۔

اس نے جیب سے بیس رُپے نکال کر بڑی بی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، "ماں جی! یہ ہیں پیسے۔ اپنی بچّی کے لیے دوا لے جائیے۔" بڑی بی کے چہرے پر ایک دم مسرت چھا گئی۔ اس نے رُپے پکڑ لیے۔ "جیتے رہو بیٹا! اللہ تجھے خوش رکھے اور تمھاری عمر دراز کرے۔"

شہباز کو یوں محسوس ہوا جیسے بڑی بی کو خوش دیکھ کر اس کا دل بے اختیار اطمینان اور مسرت سے لبریز ہو گیا ہے۔ بڑی بی نے لاٹھی کے سہارے اٹھتے ہوئے اس کے سَر پر بڑی شفقت سے اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، "بیٹے، خدا تجھے ہمیشہ نیکی کرنے کی توفیق عطا کرے۔ تم جیسے اچھے اور نیک بچّے ہی ملک و قوم کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ بیٹے، ہمیشہ یاد رکھنا کہ اخلاق اور نیکی ہی وہ واحد طاقت ہے جس کے ذریعہ سے دِلوں کی سلطنتوں کو فتح کیا جا سکتا ہے۔"

شہباز انھیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اُسے بڑی بی کی مدد کر کے اتنی مسرت ہو رہی تھی جتنی ہوائی جہاز کے ملنے پر بھی نہ ہوتی۔ اب اسے ہوائی جہاز کے نہ ملنے کا کوئی افسوس نہ تھا۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے روح میں تازگی لا رہے تھے۔ شہباز کو یوں لگا جیسے یہ پُر بہار جھونکے بھی اُسے اخلاق اور نیکی کا درس دے رہے ہیں۔

○

بچاؤ دشمنوں کی نظر سے

مرسلہ: ریاض الدین نوری، کراچی

یہ شاعر کا سپنا، یہ قائد کی محنت
یہ جوہر کی عظمت، یہ شوکت کی شوکت
درخشاں دلوں کی بنی ہے جو راحت
وہی دیس میرا ہے، ملکِ محبّت

یہ دہقاں ہمارے یونہی مسکرائیں
وہ چاہت کی دھرتی سے سونا اُگائیں
یونہی گیت خوشیوں کے یہ گاتے جائیں
محبّت سے اپنی وطن جگ مگائیں

یہ فوجی جواں، تازہ دم ہیں جو ہر دم
شکست اپنے دشمن کو دیتے ہیں پیہم
یہ غازی بڑے حوصلوں کے ہیں مالک
فضاؤں میں لہراتے ہیں پاک پرچم

یہ نوری کی فریاد ہے اپنے رب سے
وطن کو بچاؤ دشمنوں کی نظر سے
جوانوں کو اسلام کی روشنی دے
کہ ظلمت ہو کافور ان کے قدم سے

پہلی جنگِ عظیم

حاکم علی سرمہ، سکھر

بیسویں صدی کے ابتدائی عشرے میں یورپ کی تمام طاقتیں عروج پر تھیں۔ برطانوی حکومت کے پھیلاؤ

کا یہ عالم تھا کہ اس میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا۔ جرمنی، جس نے سائنس اور صنعت میں کافی ترقی کر لی تھی اب برلن سے بغداد تک حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ روس اور فرانس، جرمنی کی بڑھتی ہوئی طاقت کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ وہ جرمنی کو پھلتے پھولتے نہیں دیکھ سکتے تھے، لہٰذا دونوں ممالک نے ایک سمجھوتے پر دستخط کیے کہ جنگ کی صورت میں دونوں مل کر جرمنی کا مقابلہ کریں گے۔ آخر اوسٹریا کے ولی عہد فرانسس فرڈی نینڈ کا قتل پہلی جنگِ عظیم کا سبب بنا۔ اوسٹریا کے حکم راں نے اس قتل کا ذمے دار حکومت سربیا کو ٹھیرایا اور ۲۸۔ جولائی ۱۹۱۴ء کو سربیا کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اوسٹریا کی پشت پر جرمنی تھا، جس نے پہلے ہی اوسٹریا کو اجازت دے رکھی تھی کہ سربیا سے حسبِ مرضی سلوک کرے۔ روس کو فطرتاً سربیا سے ہمدردی تھی۔ روس اور سربیا کے باشندے ایک ہی نسل "سلاو" سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اس علاقے میں روس کے اپنے عزائم تھے۔ جرمنی نے روس، فرانس اور برطانیہ کو اوسٹرو سربیائی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کی تنبیہ کی، مگر روس نے کوئی دھیان نہ دیا اور اپنی فوجوں کو حرکت میں لایا۔ جرمنی نے مطالبہ کیا کہ روس اپنی فوجوں کی نقل و حرکت بند کر دے۔ ساتھ ہی جرمنی نے فرانس سے بھی مکمل غیر جانب داری کا مطالبہ کیا، مگر روس اور فرانس نے سُنی اَن سُنی کر دی، چناں چہ جرمنی نے فرانس اور روس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ جب جرمنی نے بیلجیم کے غیر جانب دار علاقے سے گزر کر فرانس پر حملہ کرنا چاہا تو برطانیہ نے بھی جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اٹلی جو پہلے جرمنی کا حلیف تھا، اس نے بھی ۱۹۱۵ء میں جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ ۱۹۱۷ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکا نے بھی جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ یہ جنگ بغیر کسی وقفے کے مسلسل چار سال جاری رہی۔ ابتدا میں یہ جنگ یورپ کے چند ممالک کے درمیان تھی، مگر رفتہ رفتہ اس جنگ کے شعلے پوری دنیا میں پھیل گئے۔ جرمنی، اوسٹریا، ہنگری، ترکی اور بلغاریہ وغیرہ ملکوں کو محوری طاقتیں کہا جاتا تھا اور ان کے خلاف سربیا، روس، فرانس اور انگلینڈ نبرد آزما تھے۔ آخر میں بیلجیم، جاپان، اٹلی، یونان، سیام، برازیل اور چین بھی اتحادیوں سے آملے تھے۔ دنیا کے باقی ممالک نے بھی یا تو اتحادیوں کی طرف سے کھلم کھلا اعلانِ جنگ کیا یا پھر دوستانہ غیر جانب داری اختیار کی۔ زندگی کا سکھ اور چین ختم ہو چکا تھا۔ اور پُر امن زندگی اور اطمینان ماضی کا سہانا خواب بن کر رہ گیا تھا۔

جرمنی شروع میں ہی فتح کا موقع کھو چکا تھا۔ اتحادی طاقتیں اَن گنت مصائب اٹھانے کے بعد آخر تھکے ہارے جرمنوں کو پیچھے دھکیلنے میں کام یاب ہو گئیں۔ اس طرح اتحادیوں نے فتح حاصل کر لی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس جنگ میں تقریباً تین کروڑ آدمی مارے گئے۔ اس جنگ نے ایسے ہول ناک اثرات چھوڑے کہ

یورپی عوام فتح کی خوشیوں میں بھی دل کھول کر حصّہ نہ لے سکے۔

بابا کرم دین

غلام محمد ناز قریشی، میانوالی

آپ نے دنیا میں بے شمار اچھے لوگ دیکھے ہوں گے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا اچھے لوگوں سے بھری پڑی ہے۔ اگر دنیا میں اچھے لوگ نہ رہیں تو دنیا کا وجود ہی مٹ جائے، لیکن بہت کم ایسے ہوں گے جو شروع سے ہی اچھے ہوں۔ زیادہ تر ایسے لوگ ملتے ہیں، جنھیں زمانے کی ٹھوکروں نے اچھا بنا دیا۔ آج میں آپ کو ایک کہانی سُنا رہا ہوں۔ اس شخص کی کہانی، جو کبھی بہت ظالم ہوا کرتا تھا، لیکن جب ٹھوکر لگی تو ایسا نیک بن گیا، جس کی نظیر شاید کہیں نہ ملے۔

آج بھی ہمارے گاؤں کے باہر ایک بہت بڑا باغ ہے۔ یہ باغ بابا کرم دین نے بڑی محنت سے لگایا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ بابا کرم دین دن رات پودوں کی رکھوالی کرتا۔ ہر پودے کو پانی دیتا۔ اس کی جگہ نرم کرتا اور تھانولا درست کرتا، لیکن حیرت کی بات یہ کہ بابا کسی کو بھی پھول اور پھل توڑنے سے منع نہیں کرتا، بلکہ چھوٹے بچّوں کو تو وہ خود ہی توڑ کر دیتا اور ہمارا تو تمام وقت باغ میں ہی گزرتا۔ ہم خوب مالٹے اور امرود کھاتے۔ پھول توڑ کر گل دستے بناتے اور ہار بنا کر گلے میں ڈالتے۔ بابا ہمیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا۔

مجھے اکثر بابا کرم دین کے اس رویّے پر تعجب ہوتا۔ اکثر میں نے اس سے یہ کہا بھی کہ وہ کیوں دوسروں کے لیے اتنی تکلیف اٹھاتا ہے؟ تو وہ مسکرا دیتا اور کہتا "وقت کو خوشی سے کاٹنے کے لیے میں نے یہ راہ نکالی ہے۔ جب دوسرے خوش ہوں گے تو میرا دل بھی خوش ہو گا۔" میں یہ جواب سُن کر خاموش ہو جاتا، لیکن مطمئن نہ ہوتا۔ ایک دن میں نے ابا جان سے بھی اس بات کا ذکر کیا تو انھوں نے صرف اتنا کہہ کر مجھے خاموش کر دیا کہ "جب دنیا کی محبّت دل سے محو ہو جائے تو ہر شخص بابا کرم دین بن جاتا ہے۔"

اسی طرح وقت گزرتا رہا۔ ہم ہر وقت بابا کے پاس ہی باغ میں رہتے۔ اس کا ہاتھ بھی بٹاتے۔ اسکول کا کام بھی وہیں بیٹھ کر کرتے اور بابا ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوتا۔

بابا روز بہ روز بوڑھا ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی بینائی بھی کم زور ہونا شروع ہو گئی تھی، لیکن اس کی ہمّت روز بہ روز جوان ہوتی جا رہی تھی۔ وہ دن رات محنت کرتا۔ ہاتھوں پر کھُرپا چلانے کے نشان پڑ گئے، لیکن اس کے چہرے پر کبھی تھکن کے آثار نمودار نہ ہوئے۔

گاؤں کے تمام لوگ بابا کرم دین کی بڑی عزّت کرتے۔ گاؤں کے نوجوانوں کی اکثریت فوج میں تھی۔ وہ جب بھی چھٹّی پر آتے تو پہلے بابا سے ملتے۔ بابا انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوتا۔ خوش کیوں نہ ہوتا۔ یہ سب

نوجوان اس کے ہاتھوں میں ہی پروان چڑھے تھے۔ کبھی یہ بھی بچے تھے۔ ہر وقت بابا کے ساتھ باغ میں کھیلا کرتے تھے۔ آنکھ مچولی کھیلتے اور عید کے موقع پر جھولے جھولتے۔ آج جب وہ گبھرو جوان بن گئے تو بابا انھیں دیکھ کر خوش کیسے نہ ہوتا۔

اکثر بڑے بوڑھے جن میں بابا کے ہم عمر بھی تھے، رات کو باغ میں جاتے اور گپ شپ کی محفل جمتی، لیکن بابا لوگوں سے دُور رہنے کی کوشش کرتا۔ شہر میں بہت کم آتا، مصلّٰی باغ میں رکھا ہوا ہوتا، جہاں باقاعدگی سے نماز ادا کرتا۔

وقت یونہی کٹتا رہا۔ ایک دن اس حاتم صفت اور باہمت بوڑھے کو موت نے آلیا۔ اُسے ہلکا ہلکا بخار آیا اور پھر وہ اسی بخار میں چل بسا۔ مجھے یاد ہے جب بابا کو بخار آیا تھا تو ہم تمام بچے اس دن اسکول جانے کے بجائے بابا کی چارپائی کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ہمیں اسکول جانے کے لیے کہہ رہا تھا، لیکن ہم بابا کو بیماری میں تنہا چھوڑ کر کیسے جاتے، گاؤں کے سیانے انھیں دوا دے رہے تھے، لیکن بخار نہیں اُترا تھا اور یوں بہت جلد بابا کرم دین ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا۔ اس دن گاؤں کی کوئی ایسی آنکھ نہیں تھی جو اشک بار نہ تھی۔ ہم تو بلک بلک کر رو رہے تھے۔ ہم سے تو ہماری قیمتی متاع چھن گئی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ اب اس باغ پر کبھی بہار نہیں آئے گی، کیوں کہ اس کی "بہار" تو ہمیشہ کے لیے گہری نیند سو چکی تھی۔ ہائے کتنا دردناک منظر تھا وہ، جب لوگ بابا کرم دین کو قبر میں اُتار رہے تھے۔

بابا کرم دین کی یاد بھولنے والی نہیں تھی۔ مدّت تک روٹی کھانے کو جی نہ کرتا۔ باغ کے پاس سے گزرتے تو بے اختیار آنسو آجاتے، لیکن وقت ایک بہترین مرہم ہے۔ یہ زخموں کو فوراً بھر دیتا ہے۔ ہمارے زخم بھی رفتہ رفتہ بھر گئے۔ بابا کرم دین تو چلے گئے، لیکن اپنی بے شمار یادیں ہمارے لیے چھوڑ گئے۔ اُن کی نصیحت آموز اور قیمتی باتیں ہم کبھی نہیں بھول سکیں گے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دن بابا کرم دین نے ایک پودے کو زور سے ہلایا۔ اس سے بہت سارے پتے جھڑے تو بابا نے ہم تمام بچوں سے کہا کہ آسمان پر اسی طرح ایک بہت بڑا درخت ہے، جس پر ہر انسان کے نام کا پتا لگا ہوا ہے۔ اللہ کے حکم سے اسی طرح پتے گرتے رہتے ہیں، جس انسان کے نام کا پتا گرتا ہے، اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور موت کا فرشتہ آکر اس کی روح قبض کر لیتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے مسکرا کر کہا، "بچو! اپنا پتا گرنے سے پہلے ہی اچھے اچھے کام کر لو۔ زندگی کا پتا کسی وقت بھی گر سکتا ہے۔" ایسی بے شمار باتیں ہیں جو انھوں نے ہمیں سمجھائیں۔

ایک دن میں اور والد صاحب باغ سے گزر رہے تھے۔ ہم نے بابا کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ میں نے بابا کرم دین کے بارے میں والد صاحب سے تفصیل پوچھنا چاہی۔ والد صاحب نے بتایا:

"بابا کرم دین اپنے والدین کا اکلوتا اور بہت

ہی لاڈلا بیٹا تھا۔ اس کا باپ نمبردار تھا۔ اس نے کرم دین کو پڑھایا۔ پورے علاقے میں صرف کرم دین ہی ایسا شخص تھا، جسے اس کے والدین نے تعلیم دلائی۔ کرم دین کا والد چوں کہ نمبردار تھا، اس لیے پولیس کا اکثر اس کے ہاں آنا جانا رہتا۔ کرم دین کا شروع سے ہی یہی خیال تھا کہ وہ تھانے دار بنے گا۔ اس نے آخر والدین کے منع کرنے کے باوجود ایسا ہی کیا۔ وہ تھانے دار بن گیا۔

بابا کرم دین کے والدین جب تک زندہ رہے اس نے نوکری نہایت شریفانہ طریقے سے کی، لیکن جب وہ فوت ہو گئے تو کرم دین نے بھی عام تھانے داروں کا رویّہ اختیار کر لیا۔ اس کے والدین جتنے نیک تھے وہ اتنا ہی بُرا بن گیا۔ وہ غریبوں اور بے گناہ لوگوں پر ظلم کرتا اور رشوت لیتا، لیکن قدرت شاید اُسے اس راہ پر نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے اس راہ سے ہٹانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُسے ایک بڑے امتحان میں ڈال دیا۔

ہوا یہ کہ ایک رات ناگہاں زلزلہ آگیا۔ گاؤں کے اکثر مکانات گر گئے، لیکن کسی کا جانی نقصان نہیں ہوا سوائے کرم دین تھانے دار کے، جس کے تین معصوم بچّے اور بیوی چھت کے نیچے دب گئے۔ قدرت نے مظلوموں کا انتقام کرم دین تھانے دار سے لے لیا۔ بابا کرم دین کو، جو اس وقت ایک نزدیکی تھانے میں تھا، اطلاع دی گئی۔ بابا کرم دین کی آنکھیں بالکل خشک تھیں اور وہ بار بار کہہ رہا تھا:

"مجھے اپنے کیے کی سزا مل گئی!"

اس دن کے بعد بابا کرم دین نے اپنے رب کو ہر طریقے سے راضی کرنے کی کوشش کی۔ نوکری سے استعفیٰ دے دیا۔ اُن مظلوم اور غریب لوگوں کے پاؤں پر گر پڑا اور ان سے معافیاں مانگیں، جن پر اس نے ظلم وستم ڈھائے تھے۔ اپنی تمام جائداد فی سبیل اللہ وقف کر دی۔ ہسپتال اور اسکول بنائے۔ بابا کرم دین نے اپنے مکان کو گرا کر خود ہی وہاں خوب صورت مسجد تعمیر کروائی اور گاؤں کی تمام بیوہ عورتوں اور یتیم بچّوں کو رہنے کے لیے جگہیں دیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بابا کرم دین نے بچّوں کی خاطر باغ لگوایا۔"

والد صاحب کی آنکھیں اشک بار تھیں اور میں بلک بلک کر رو رہا تھا۔ آج بھی ہم باغ میں جاتے ہیں اور پودوں کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن آج بابا کرم دین کے بجائے وہاں اس کی خوب صورت قبر ہے۔ جہاں گلاب کے خوب صورت پودے اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ پہلے ہم قبر پر فاتحہ پڑھتے ہیں اور پھر پھول توڑتے ہیں۔

شاعر: جناب غافل کرنالی

جشنِ استقلال

مرسلہ، جاوید حکیم خان کھوکھر، ٹنڈوالہ یار

سج دھج سے ہم جشن منائیں — خوشیوں کے ساغر چھلکائیں
خود جاگیں اوروں کو جگائیں — آزادی کے گیت سنائیں

یہ دن اور یہ سال مبارک
جشنِ استقلال مبارک

عزم و عمل کیا خوب ہمارا　　سچ کہنا اسلوب ہمارا
قرآں ہے محبوب ہمارا　　پاک وطن مطلوب ہمارا
یہ دن اور یہ سال مبارک
جشنِ استقلال مبارک
اس دن ہم آزاد ہوئے تھے　　اُجڑے گھر آباد ہوئے تھے
گیت سحر کے یاد ہوئے تھے　　اپنے پرائے شاد ہوئے تھے
یہ دن اور یہ سال مبارک
جشنِ استقلال مبارک
صبح کے رنگیں چشمے پھوٹے　　تاریکی کے بندھن ٹوٹے
چھوٹ گئے سب ساتھی جھوٹے　　مہکے خوشیوں کے گل بوٹے
یہ دن اور یہ سال مبارک
جشنِ استقلال مبارک
ہر دم اچھا کام کریں گے　　ملک کا روشن نام کریں گے
نورِ صداقت عام کریں گے　　جھوٹ کو زیرِ دام کریں گے
یہ دن اور یہ سال مبارک
جشنِ استقلال مبارک

بلبل

یوسف راجپوت، کراچی

عرصہ ہوا چین میں ایک بادشاہ رہتا تھا۔ اس کا دارالحکومت نہایت خوب صورت تھا۔ دنیا کے تمام حصّوں سے سیّاح آتے اور اس شہر کی تعریف کرتے۔ بادشاہ کا محل بھی نہایت شان دار تھا جو اسے دیکھتا تعریف کرتا۔ یہ اعلا چینی مٹّی کا بنا ہوا تھا۔ بادشاہ کا ایک باغ بھی تھا، جس میں نہایت خوب صورت پھول اور پودے اُگتے تھے۔ بادشاہ اپنے پایۂ تخت، محل اور باغ پر بہت فخر کرتا تھا۔ بادشاہ کے باغ سے کچھ فاصلے پر ایک جنگل تھا، جس میں ایک بلبل رہتی تھی۔ وہ اتنی سُریلی آواز میں گاتی تھی کہ لوگ اپنا کام چھوڑ کر اس کی آواز سننے میں مصروف ہو جاتے تھے۔ سیّاح بھی بلبل کی بہت تعریف کرتے اور جب وہ اپنے ملک واپس جاتے تو بلبل کی بادشاہ کے محل، باغ اور شہر سے زیادہ تعریف کرتے۔ ان میں سے بعض سیاحوں نے اس بارے میں کتابیں بھی لکھیں اور ان میں بلبل کی تعریف میں نظمیں کہیں۔ دنیا کے بیش تر لوگ بلبل کے متعلق جانتے تھے، لیکن حیرت تھی کہ بادشاہ کو اس کا علم نہ تھا۔ ایک روز اتفاق سے بادشاہ نے ایک سیاح کی کتاب پڑھی، جس میں اس کے پایۂ تخت، اس کے محل اور باغ کی تعریف تھی، لیکن سب سے زیادہ تعریف بلبل کی تھی۔ وہ پڑھ کر حیران ہوا اور اس نے اپنے وزیر کو بُلایا اور کہا کہ سُنا ہے کہ ہمارے ملک میں ایک بلبل ہے جو نہایت سُریلی آواز میں گاتی ہے۔ اس بلبل کو مہیا کرو۔ وزیرِ اعلا نے کہا کہ اس نے بھی بلبل کے متعلق کتاب میں پڑھا ہے۔ وہ اسے تلاش کرنے کی کوشش کرے گا اور حضور والا کی خدمت میں حاضر کرے گا۔ وزیر نے لوگوں سے دریافت کیا، لیکن کسی نے بلبل کی بابت نہ بتایا۔ وہ بہت پریشان ہوا، بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں کوئی ایسی بلبل نہیں ہے، جو نہایت

سریلی آواز میں گاتی ہے۔ غالباً کسی سیاح نے غلط لکھ دیا ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ جس کتاب میں اس نے بلبل کی بابت پڑھا ہے وہ جاپان کے بادشاہ نے لکھی ہے، لہٰذا یہ غلط نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں ایسی بلبل ضرور ہے۔ بادشاہ نے وزیر کو حکم دیا کہ شام تک بلبل کو پیش کیا جائے ورنہ تمام درباریوں کو پھانسی دے دی جائے گی۔

وزیر ایوان میں اِدھر اُدھر پریشان پھرتا رہا۔ اس نے ہر درباری سے دریافت کیا، لیکن کسی نے پتا نہ بتایا۔ آخر شاہی باورچی خانہ میں ایک خادمہ نے بتایا کہ وہ بلبل کے بارے میں جانتی ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ ہر روز سمندر کے کنارے اپنی بیمار ماں کے لیے کھانا لے کر جاتی ہے۔ وہ جنگل میں تھوڑی دیر کھیلتی ہے اور بلبل کا گانا سُنتی ہے۔ وزیر نے کہا کہ اے خادمہ، اگر تُو ہمیں وہاں پہنچا دے تو ہم تجھے بہت انعام دیں گے۔ خادمہ وزیر کو اس جنگل میں لے گئی، جہاں بلبل رہتی تھی۔ آدھے دربار کے اراکین وزیر اعلا کے ہمراہ تھے۔ وہ جنگل میں پہنچے۔ وہاں انھوں نے بلبل کا سُریلا گانا سنا اور بہت متاثر ہوئے۔ کسی نے اپنی زندگی میں ایسا گانا نہیں سُنا تھا۔ تب خادمہ نے بلبل سے مخاطب ہو کر کہا، "ہمارے بادشاہ سلامت تمھارا گانا سننے کے لیے تمھیں بلاتے ہیں۔" بلبل نے جواب دیا، "کیا میں دوبارہ گاؤں؟" اس کا خیال تھا کہ بادشاہ سلامت بھی وہاں موجود ہیں۔ تب وزیر نے بلبل سے مخاطب ہو کر کہا، "اچھی بلبل، میں تمھیں دعوت دیتا ہوں کہ آج شام کو بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر دربار میں گانا سناؤ۔" بلبل رضامند ہو گئی۔ شام کو بلبل نے نہایت سُریلی آواز میں بادشاہ کے حضور میں گایا۔ بادشاہ سلامت اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ بلبل نے کئی بار گایا۔ بادشاہ نے اپنے سونے کے بنے ہوئے سلیپر بلبل کو پیش کیے کہ وہ اپنے گلے میں پہنے، لیکن اس نے پہننے سے انکار کیا اور کہا کہ اسے اس بات پر خوشی ہے کہ گانے نے بادشاہ کو رونے پر مجبور کیا پھر اس نے مزید گانے سنائے۔

دربار میں جو خواتین موجود تھیں، وہ بھی بلبل کے گانے سے متاثر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ گانا بھی ایک قدرت کا عطیہ ہے۔ انھوں نے بلبل سے درخواست کی کہ وہ محل میں رہے۔ اسے درباری مغنیہ بنایا گیا اور اس کے لیے سونے کا پنجرا تیار کیا گیا۔ بادشاہ نے اسے اجازت دی کہ وہ دن کے وقت دو دفعہ اور رات کو ایک دفعہ جنگل میں جا سکتی ہے۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے بارہ خدمت گار مقرر کیے گئے۔

ایک دن بادشاہ کو ایک پارسل موصول ہوا جس پر "بلبل" تحریر تھا۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ شاید پارسل میں کتاب ہو جس میں بلبل کا ذکر کیا گیا ہو، لیکن جب اس نے پارسل کھولا تو اس میں سے ایک مصنوعی بلبل نکلی۔ یہ ایک مشینی کھلونا تھا جسے چابی دینے سے بلبل کی طرح آواز نکلتی تھی، لیکن مصنوعی بلبل صرف ایک سُر

جانتی تھی۔ جب وہ گاتی تو اس کی دُم اوپر نیچے ہوتی اور وہ خوب صورت معلوم ہوتی۔ بادشاہ نے اسے پسند کیا اور حکم دیا کہ اصل بلبل اور نقلی بلبل ایک ہی وقت گائیں۔ نقلی بلبل آواز کی پابندی کا خیال رکھتی تھی اور صحیح گاتی تھی۔ اصلی بلبل مختلف سروں میں گاتی تھی۔ وقت کی پابند نہ تھی۔ بادشاہ نے اصلی بلبل کو آزاد کر دیا اور وہ خوشی سے جنگل کی طرف پرواز کر گئی جہاں وہ اپنی مرضی سے گاتی اور مسافروں کا دل بہلاتی۔

ایک روز ایسا ہوا کہ بادشاہ نقلی بلبل کا گانا سننا چاہتا تھا کہ کھلونا ٹوٹ گیا۔ اس کی مرمّت کی گئی۔ مرمّت کرنے والے کاریگر نے بادشاہ سے کہا کہ اسے زیادہ چابی نہ دی جائے اور نہ زیادہ گانے سُنے جائیں۔ اس سے سب مایوس ہو گئے۔

پانچ سال گزر گئے۔ اچانک بادشاہ بہت بیمار ہو گیا۔ اس کے بچنے کی امید نہ رہی۔ اس کی جگہ دوسرا جانشین مقرر کیا گیا۔ بادشاہ نے اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا مانگی کہ وہ صحت مند ہو جائے۔ اس کی دعا قبول ہوئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ اصلی بلبل دربار میں آئی ہے اور اس نے سریلی آواز میں گایا ہے۔ بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے باری تعالیٰ سے معافی مانگی کہ اس نے بلبل سے زیادتی کی ہے۔ جب بادشاہ جاگا تو اس نے دیکھا کہ بلبل کھڑکی کے باہر گا رہی ہے۔ یہ گانا اس کی صحت اور طویل زندگی کا تھا۔ بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے بلبل سے معافی مانگی۔ شام تک بادشاہ تن درست ہو گیا۔

ڈاک کے ٹکٹ

ناصر محمود، کراچی

(۱) ڈاک کی بین الاقوامی تنظیم (یونی ورسل پوسٹل یونین) ۱۸۷۴ء میں قائم ہوئی تھی۔

(۲) دنیا کا سب سے قیمتی ٹکٹ برٹش گیانا کا ۱۸۵۶ء میں جاری ہونے والے ایک سینٹ کا ٹکٹ ہے۔ اس ٹکٹ کی قیمت ۳ لاکھ ۲۵ ہزار امریکی ڈالر ہے۔

(۳) دنیا کا سب سے قیمتی ٹکٹ ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا تھا۔

(۴) دنیا کا سب سے چھوٹا ٹکٹ بولیویا (جنوبی امریکا) نے جاری کیا تھا۔

(۵) تکونے ٹکٹ سب سے پہلے کیپ آف گڈ ہوپ نے ۱۸۵۳ء میں جاری کیے تھے۔

(۶) پاکستان کے ڈاک ٹکٹ پر اب تک صرف ایک شخصیت کے دستخط شائع ہوئے ہیں۔ وہ شخصیت ہیں علامہ اقبال۔

پیغامِ نونہال

مرسلہ: عزیز احمد تبسم، سوات

پڑھنے لکھنے سے نہ گھبرایا کرو
وقت پر اسکول تم جایا کرو

کام سے ملتی ہے عظمت دوستو

کام سے ہر گز نہ کترایا کرو

ہے اسی کا نام تو مردانگی

بڑھ کے ہر مشکل سے ٹکرایا کرو

تم سے خوش ہوں گے بہت اللہ میاں

بیکسوں کے کام تم آیا کرو

جس قدر چادر تمھارے پاس ہو

اس قدر ہی پاؤں پھیلایا کرو

ساری دنیا کا ہے جو پروردگار

بس اسی کے گیت تم گایا کرو

ایفائے عہد

محمد عاطف شیخ، نواب شاہ

اپنے قول و قرار کی پاسداری اور اپنے عہد کی پابندی کا دوسرا نام ایفائے عہد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خوبیوں میں سے یہ ایک بڑی خوبی ہے کہ وہ اگر کسی سے وعدہ کریں یا کسی سے قول و قرار کریں تو اس کے پابند رہیں۔ چاہے سمندر اپنا رُخ پھیر دے، پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے یا زمین اپنی گردش روک دے مگر کسی مسلمان کی یہ شان نہیں کہ جو منھ سے کہے اسے پورا نہ کرے اور جو قول و قرار کرے اس کا پابند نہ رہے۔ قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے کہ "اے ایمان والو! اپنے عہد کو پورا کرو۔ (ترجمہ) اسلام میں وعدہ پورا کرنا انسان کی پسند اور ناپسند پر منحصر نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ یہ حقوق العباد کے زمرے میں بھی آتا ہے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق اسے بڑی اہمیت اور فضیلت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں وعدہ پورا کرنے کے لیے سخت تاکید کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ارشادِ خداوندی ہے، "اور عہد پورا کرو۔ بے شک عہد کی باز پرس ہوگی۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک قیدی سپہ سالار کو اقدامِ قتل کے سلسلے میں سزائے موت دی جا رہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سپہ سالار سے اس کی آخری خواہش دریافت کی تو اس نے کہا کہ میں پانی پینا چاہتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ سپہ سالار کو پانی پلایا جائے۔ جب غلام پانی لے کر آیا تو سپہ سالار نے کہا مجھے ڈر ہے کہ کہیں پانی پینے کے دوران مجھے قتل نہ کر دیا جائے۔ اس لیے آپ وعدہ کیجیے کہ جب تک میں یہ پانی نہیں پی لوں گا میری گردن نہیں اڑائی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وعدہ کر لیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ پھر سپہ سالار نے غلام سے پانی لیا اور زمین پر انڈیل دیا اور کہا کہ اب آپ مجھے سزائے موت نہیں دے سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ایک نظر دیکھا گویا اس کی ذہانت کی تعریف کی اور جلّاد کو حکم دیا کہ وہ تلوار نیام میں ڈال لے۔

ایفائے عہد کا یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ جو وعدہ کریں اسے پورا کریں اور جو بات کہیں اس پر قائم رہیں

تاکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص ایفائے عہد کرتا ہے میں اس کے لیے جنّت کا ذمّہ لیتا ہوں۔"

بزدل کون

محمد خالد عبد العزیز، کراچی

سائکل تیز چلانے کا ہمیں اتنا شوق ہے، اتنا شوق ہے کہ ہم آپ کو بتا نہیں سکتے۔ آہستہ سائکل چلانے میں تو ہمیں بالکل مزہ نہیں آتا۔ ہم جتنی تیز سائکل چلاتے ہیں ہمارے بڑے بھائی اتنی ہی آہستہ سائکل چلاتے ہیں۔ ڈرتے ہیں نا بے چارے۔ تب ہی تو ہم انھیں بزدل بھائی کہتے ہیں۔ وہ تو ہمیں بھی ہر وقت ڈراتے رہتے ہیں کہ سائکل تیز مت چلایا کرو، ورنہ ایک نہ ایک دن ایسے گرو گے کہ ہڈّی پسلی ایک ہو جائے گی، لیکن ہم بالکل نہیں ڈرتے۔ آخر ہم کوئی بزدل ہیں۔

نوید ہمارا ہم جماعت ہے۔ وہ بھی ہماری طرح تیز سائکل چلانا پسند کرتا ہے۔ کل اس کی اور ہماری سائکل ریس تھی۔ ہم نے بزدل بھائی کو بھی ریس میں شامل کرنا چاہا، لیکن وہ نہ مانے۔ خیر ہمارا اور نوید کا مقابلہ شروع ہوا۔ جس سڑک پر ہمارا مقابلہ جاری تھا، وہاں سے گاڑیاں کبھی کبھار ہی گزرتی ہیں، لیکن کل نہ جانے کہاں سے ایک ٹرک ایک دم ہمارے سامنے آگیا۔ ٹرک ڈرائیور نے تو ٹرک روک لیا، لیکن ہم سے سائکلیں نہ رُکیں اور ہماری سائکلیں ٹرک سے جا ٹکرائیں۔ ہمیں تو خیر زیادہ چوٹیں نہ آئیں۔ صرف دو عدد ہاتھ اور دو عدد پاؤں بری طرح چھل گئے۔ چہرے پر خراشیں پڑ گئیں۔ ناک پر ناک جتنی ہی خراش پڑی اور باقی جسم پر پچیس تیس..... خیر جانے دیں، یہ تو معمولی چوٹیں ہیں، لیکن نوید کا سر پھٹ گیا تھا اور خون فوارے کی طرح جاری تھا۔ ٹرک ڈرائیور ہمیں فوراً ہسپتال لے گیا۔ ہم تو خیر معمولی مرہم پٹّی سے ٹھیک ہو گئے، لیکن نوید کی حالت بہت خراب تھی۔ ڈاکٹر نے کہا کہ اسے خون کی ضرورت ہے، کیوں کہ زخم سے بہت زیادہ خون بہ گیا ہے۔ آپ میں سے کسی کا "او" نیگیٹیو گروپ ہے؟ بھائی جان نے ہم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا، "خالد، تم نے ایک بار اپنا خون ٹیسٹ کروایا تھا، کون سا گروپ ہے تمھارا؟" تھا تو ہمارا گروپ او نیگیٹیو ہی، لیکن ہم خواہش کے باوجود خون دینے کی ہمّت نہیں کر پا رہے تھے۔ اس لیے ہم نے فوراً جھوٹ کہہ دیا کہ ہمارا گروپ تو بی پازیٹیو ہے۔ اس پر بھائی جان نے ڈاکٹر سے کہا کہ آپ ہمارا گروپ چیک کریں۔ بھائی جان کے خون کا گروپ چیک کیا گیا تو وہ بھی او نیگیٹیو نکلا۔ بھائی جان نے ڈاکٹر سے کہا کہ آپ نوید کے لیے ہمارا خون لے لیں۔ جب بھائی جان نوید کے لیے اپنا خون دے رہے تھے تو ہم سوچ رہے تھے کہ بزدل کون ہے، بھائی جان یا ہم؟

ننھّے قارئین لکھتے ہیں

نونہالوں کی پسند، ناپسند، تجویزیں، شکایتیں، مشورے

★ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی "جاگو جگاؤ" نے بے حد متاثر کیا۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب کے اس کالم کی حیثیت ہمدرد نونہال میں بالکل ایسی ہے جیسا کہ کھانے میں نمک۔ ہمارے گھر میں نونہال شاید ۱۹۷۳ء سے باقاعدگی سے آرہا ہے۔
اشتیاق احمد کھوکھر، لانڈھی

★ سرورق پسند آیا۔ نونہال کی کہانیاں اب حقیقت سے دُور ہوتی جارہی ہیں۔ سلسلے وار ناول کی کمی بھی محسوس کی جارہی ہے۔
عظمیٰ احمد، فیصل آباد

> یہ کمی اب محسوس نہیں ہو گی۔

★ تمام کہانیاں لاجواب تھیں۔ لطیفے بھی ٹھیک تھے۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔
محمد مبشر حسن، کراچی

★ میں نونہال کو کسی کو بھی ہاتھ نہیں لگانے دیتی کہ خراب نہ ہوجائے۔ بہت خوب صورت اور پیارا رسالہ ہے۔ خاص طور پر سائنس کے مضامین۔
مہر محمد اشرف، گجرات

★ میں کب کہانی بھیجوں؟
محمد ایوب خاں، چمن

★ میں نونہال کا پرانا قاری ہوں۔ میرے سروے کے مطابق نونہال نے گزشتہ چار سال میں ماشاء اللہ بہت ترقی کی ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟
عرفان احمد، ناظم آباد

> ہماری رائے؟ جو نونہالوں کی رائے ہو گی۔ ہم نونہالوں سے پوچھتے ہیں۔

★ خیال کے پھول کی ایک فرانسیسی کہاوت "دیانت دار آدمی کے لیے یہ سزا کافی ہے کہ اس کے منہ پر جھوٹی تعریف کردی جائے۔" میری سمجھ میں بالکل نہ آئی۔ کیا آپ اس کی تشریح کردیں گے؟
امین صدرالدین بھایانی، کراچی

> دیانت دار آدمی دولت ہی نہیں کوئی چیز بھی غلط طور پر کسی سے لے سکتا ہے اور نہ دے سکتا ہے۔ جس تعریف کا وہ مستحق نہ ہو جھوٹی ہوتی اور اس کو پسند نہیں ہوتی، اس لیے اگر دیانت دار آدمی کے منہ پر اس کی جھوٹی تعریف کی جائے تو اس کو تکلیف ہو گی اور گویا یہ اس کی سزا ہوئی۔

★ جناب ساجد علی ساجد کے مضمون "میکسیکو ورلڈ کپ" میں لکھا ہے کہ پہلا ورلڈ کپ ۱۹۳۰ء میں یوراگوائے میں ہوا۔ جب کہ معلومات عامہ نمبر ۲۴۲ کے سوال نمبر ۱ میں لکھا ہے کہ پہلا ورلڈ کپ ۱۹۳۴ء میں ہوا۔
وسیم احمد، گھوٹکی

> جی ہاں، ساجد صاحب نے صحیح لکھا ہے۔ معلوماتِ عامہ میں تو ہم نے سوال ذرا چکرا کر دیا ہے۔ نونہالوں کی ذہنی آزمائش کی تھی۔

★ کہانیوں میں سردر کونین کے غلاموں کا مرتبہ بہت اچھی تھی۔
طاہر نور خاں، شعیب نور خاں، محمد عارف، کراچی

★ خاص طور پر جاگو جگاؤ پڑھنے میں مزہ آتا ہے اور آپ بہت اچھی باتیں اس میں لکھتے ہیں جس کے پڑھنے سے ہم ایک اچھے مسلمان بن سکتے ہیں۔
راحیلہ بشارت حسین، کراچی

★ اس میں قلمی دوستی کا کالم ہو تو بہت ہی اچھا ہو گا۔
حبیب الرحمٰن چنگیزی، خان پور

★ ہمدرد نونہال جون کی پہلی تاریخ کو گل باری کرتا ہوا ملا۔ ہمدرد نونہال کے اس گلستاں میں بے انتہا پھول لہلہاتے ہوئے ملے۔ نونہال تمام گلوں میں گلِ سرسبد کی طرح ہے۔ اس کا سرورق بھی اپنی مثال آپ تھا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات قلاقند کی طرح لگے اور کہانیاں قفس کی طرح۔ لطائف کاہکشاں کی طرح لگے اور خطوط نے نونہالوں کی نونہال کے ساتھ بے حد دل چسپی کا ثبوت دیا۔
محمد قیصر فہیم، لاہور

★ سرورق بہت پسند آیا۔ جاگو جگاؤ، فساد، سرخ گلاب، بلا جو ٹلتی نہیں، طب کی روشنی میں اور اخبارِ نونہال بھی بہت پسند آئے۔ نظموں میں جشنِ عید اور میدانِ عمل بہت پسند آئیں۔
عبدالغفور خاں، بہاول پور

★ اس مرتبہ بھی جاگو جگاؤ اپنی انفرادیت لیے ہوئے تھا۔ بجائی چلانے پر جناب محترم حکیم صاحب کا یہ مضمون نہایت عمدہ تھا اور دریا کو کوزے میں بند کیا گیا تھا۔ میری ایک تجویز ہے وہ یہ کہ "جاگو جگاؤ" سب ہی نونہال پڑھتے ہیں مگر چھوٹی جماعتوں کے کئی بچے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو بعض اوقات جاگو جگاؤ کی بات ذرا واضح طور پر سمجھ میں نہیں آتی میں مانتا ہوں کہ یہ نہایت سلیس اور تشریحانہ انداز میں لکھا جاتا ہے پھر بھی میرا خیال ہے کہ اس کا عنوان ضرور ہونا چاہیے۔ عنوان سے میرا خیال ہے آدھا مطلب تو ضرور ہی سمجھ میں آجاتا ہے مضمون کا۔ ورلڈ فٹ بال کپ بہت معلوماتی مضمون تھا۔ بہت پسند آیا۔ سدا بہار قصے بھی نہایت سبق آموز تھا۔ کہانیوں میں احمد کی مرغی محمود کے گھر پسند آئی البتہ سرخ گلاب نے بور کیا، کیوں کہ بالکل ایسی ہی ذرا سی تبدیل شدہ کہانی انگریزی کتاب میں ہے۔ اس مرتبہ آپ نے نونہال مصور تو بالکل خراب دیا۔ نہ ترتیب نہ حاشیے۔ اور ہاں میں آپ کو ایک بات بتاؤں اب میں آپ کو کبھی بھی نہیں لکھوں گا کہ میری چیزیں شائع کیوں نہیں کرتے، کیوں کہ میں نے جب آپ کو پہلی بات میں پڑھا تو مجھے بہت دکھ ہوا۔ دوستو! اور ساتھیو! میری رائے یہی ہے کہ آپ نونہال کو خوب شوق سے، غور سے، سمجھ کر پڑھیں، بار بار پڑھیں۔ جو خامی پائیں اُسے برکاتی صاحب تک پہنچا دیں مگر آپ کی تجاویز ٹھوس، مفید اور معلوماتی ہوں۔ شاید اس طرح ہی ہماری اور برکاتی صاحب کی مشکلات دُور ہوں۔

ظہیر حسن، لاہور

★ تمام کہانیاں معیاری اور اچھی تھیں۔ کارٹون بھی اچھے تھے۔ لطیفے بھی چٹ پٹے اور مزے دار تھے۔ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اور جناب مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات رسالے کی جان تھی۔

پرنس دلشد شمسی، کراچی

★ جاگو جگاؤ پڑھ کر حسبِ معمول اپنا محاسبہ کیا۔ پہلی بات کے بارے میں بھی یہی کہیں گے کہ حقیقت پر مبنی تھی۔ نظم جشنِ عید پڑھ کر مزہ آگیا۔ خیال کے پھول دل میں گھر کر گئے۔ سدا بہار قصے معلومات میں مزید اضافے کا سبب بنے۔ فساد ایک اچھی تحریر تھی۔ نظم علم بھی من کو بھائی۔ احمد کی مرغی محمود کے گھر ایک اچھی کہانی تھی اور کسی حد تک حقیقت پر مبنی بھی۔ سرخ گلاب اور تحفے بھی پسند آئے۔ خاص طور پر اس مرتبہ لطیفے بہت اچھے تھے۔ اسی قسم کے دیا کریں۔

جمیلہ رانی، شہداد پور

★ نونہال پڑھنے کے بعد ذہن کو کچھ آرام پہنچتا ہے۔ جب بھی مجھ کو بوریت محسوس ہوتی ہے تب میں نونہال پڑھتا ہوں تو بوریت محسوس نہیں کرتا۔ غلام حسین بلوچ، حیدرآباد

★ میرزا ادیب کی کہانی احمد کی مرغی محمود کے گھر اور وقار محسن کی کہانی سرخ گلاب بہت پسند آئی۔ حقیقت میں اس رسالے کی خوب صورتی اور دل چسپی حکیم محمد سعید ہیں، کیوں کہ جاگو جگاؤ آپ اتنا اچھا لکھتے ہیں کہ دل کو چین آجاتا ہے۔

وزیر حسین شاہ نقوی، خیرپور میرس

★ جون کا رسالہ نہایت انمول تھا لیکن منتخب کہانیاں پڑھیں تو یہ جان کر بہت دکھ ہوا کہ فاروق انور کی کہانی گھونسلا ایک رسالے سے نقل کی گئی ہے جو ثاقب مسعود گجرات کی تحریر ہے۔

افشاں تبسم، کراچی

> اور یہ تو فاروق انور نے انعامی مقابلے میں بھیجی تھی، لہٰذا دو سال کے لیے ان کا نام ایک فہرست میں لکھ لیا گیا ہے، جس کو کوئی نونہال پسند نہیں کرتا۔

★ کہانیوں میں فساد (م۔ ندیم) احمد کی مرغی محمود کے گھر (میرزا ادیب) سرخ گلاب (وقار محسن) بلا جو ٹلتی نہیں (آر۔ ایل۔ اسٹیونسن) سفید رنگ کا سفوف (دلشاد احمد) انگوٹھی کہاں سے ملی (مہروز اقبال) اور منتخب کہانیاں بہت پسند آئیں۔ کیا جاگو جگاؤ کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے۔ میں ہمدرد فاؤنڈیشن کی کتابیں منگوانا چاہتا ہوں کس طرح اور کس پتے پر؟ غلام مصطفٰی سولنگی، گوٹھ سعا شریف

> جاگو جگاؤ بہت جلد کتابی شکل میں شائع ہو رہی ہے اس کا نام رکھا گیا ہے "کتابِ دوستاں"۔ ہمدرد کی کتابیں نونہال کے پتے پر ہی خط لکھ کر منگوا سکتے ہیں۔

★ سدا بہار قصے، فساد (م۔ ندیم)، سرخ گلاب (وقار محسن) بلا جو ٹلتی نہیں، سفید رنگ کا سفوف (دلشاد احمد) بہت پسند آئیں۔ کارٹون اور مسکراتے رہو بھی پسند آئے۔ زوباریہ مناس، جہلم

★ نونہال کے تمام سلسلے اچھے ہوتے ہیں۔ نازنین صدیقی، کراچی

★ میری طرف سے نونہال کے پورے عملے اور بہ طورِ خاص آپ اور حکیم صاحب کو بہت بہت مبارک باد۔ ناظم محی الدین، کراچی

★ خوب صورت ٹائٹل نے ہمارے دِلوں کو جیت لیا۔

ایاز احمد، کراچی

★ سرورق بہت پسند آیا۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح نصیحت سے بھرپور تھا۔ ارم اسمٰعیل، کراچی

★ اس دفعہ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات تو بہت ہی پسند آئی۔ محمد یٰسین مالک، کراچی

★ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا۔

(۱) روحی ابدالی، کراچی (۲) شازیہ شیخ، شہداد پور

★ مجھے سفید رنگ کا سفوف، انگوٹھی کہاں سے ملی، سرخ گلاب، احمد کی مرغی محمود کے گھر، کارٹون، نونہال مصور، اخبارِ نونہال، نونہال ادیب بے حد پسند آئے۔ شگفتہ حکیم، کراچی

★ قبلہ و کعبہ حکیم صاحب کا نصیحت آموز جاگو جگاؤ بہت شوق سے پڑھتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں حکیم صاحب کی باتوں پر عمل کرنے کی اور محترم برکاتی صاحب کے مضمون بھی بہت اچھے ہوتے ہیں۔

ایس ایم انتخاب، اورنگی ٹاؤن

★ کیا نونہال ادیب میں صرف ناظم آباد، ڈیفنس اور گلشن والوں کے لوگوں کے ہی مضامین چھپ سکتے ہیں؟ کیا آپ نونہال ادیبوں کی تصویروں پر غور کرتے ہیں (کہ وہ اپنے رشتے دار تو نہیں) یا ان کی تحریروں پر؟ کیا میری ۱۲ سالہ نونہال دوستی کا صِلہ صرف ذلّت، بدنامی اور خواری ہی ہے؟ کیا میں آپ کا رشتے دار نہیں؟ امیر ہاشم، کورنگی

> اب تک کراچی کو نوازنے کے طعنے سنتے تھے، اب کراچی کے محلّوں کے طعنے دیے جانے لگے۔ عزیزم امیر میاں! ایسی باتیں آپ لوگوں کو کون سمجھاتا ہے۔ کون آپ کے ذہن اور دل کو خراب کر رہا ہے۔ میرے خیال میں پاکستان کے دشمن ایسی بدگمانیاں پھیلا رہے ہیں۔ یقیناً آپ میرے رشتے دار ہیں، کیوں کہ رشتے دار ہی تو طعنے دیتے ہیں۔

★ ماشاء اللہ نونہال ہر ماہ ترقی کی نئی نئی منزلیں طے کر رہا ہے۔ رضوان محمد شریف، گلشن اقبال

★ سب کہانیاں دل چسپ تھیں۔

عطیہ عطاالرحمٰن، کراچی

★ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ اپنی مثال آپ تھا۔

ناہید نصیر احمد، نیو کراچی

★ جون کا ٹائٹل زبردست تھا۔ کہانیاں بہت پسند آئیں۔ ان میں جاگو جگاؤ، خیال کے پھول، سدابہار قصّے مطب کی روشنی میں، اخبارِ نونہال، نظمیں، مسکراتے رہو اور سب پسند آیا، بلکہ بہت ہی پسند آیا۔

راجندر کمار، لطیف آباد

★ جون کا نونہال پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی، کیوں کہ وہ ہمیشہ کی طرح شان دار تھا۔ عائشہ مشتاق، کراچی

★ آپ نے ڈاکٹر عبدالسلام پر اور ان کی سائنسی تحقیقات پر کوئی مضمون تحریر نہ کرکے نہ صرف ان پر بلکہ ہم پر بھی زیادتی کی ہے۔ وطنِ عزیز کا نوبیل پرائز حاصل کرنے والا یہ ستارہ ابھی تک ہمارے لیے اندھیرے میں ہے۔ سید فیصل عباس شاہ جعفری، مردان

> ڈاکٹر عبدالسلام پر ستمبر ۸۵ء کے شمارے میں مضمون آچکا ہے۔

★ نونہال ہمیں ہر مہینے تفریح کا سامان مہیا کرتا ہے۔ ہم سب بہن بھائی نونہال بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ لطیفے بہت اچھے تھے۔ نونہال ادیب میں بھی سب کہانیاں اچھی تھیں۔

صوفیہ صدف، کراچی

★ سرورق انتہائی دل چسپ تھا۔ ارم افشاں، کراچی

★ خاص طور پر سفید رنگ کا سفوف، انگوٹھی کہاں سے ملی، احمد کی مرغی محمود کے گھر اور سرخ گلاب بہت ہی پسند آیا۔

سلمیٰ حمزہ، کراچی

★ نونہال میں مزاح بھی ہوتا ہے، معلومات بھی ہوتی ہے، اسلامی مضامین بھی ہوتے ہیں اور سائنسی مضامین بھی ہوتے ہیں۔ اس کی قیمت بھی مناسب ہے۔ یہ رسالوں میں سب سے زیادہ پڑھا اور خریدا جاتا ہے۔ (پاکستان بھر میں اور پاکستان سے باہر بھی)

انیلا شوکت، اسلام آباد

★ اخبارِ نونہال سے ہمیں بہت سی نئی ایجادات کے بارے میں علم ہوتا ہے۔ منیزہ، بشریٰ، نزہ، کراچی

★ کہانی فساد، احمد کی مرغی محمود کے گھر، سفید رنگ کا سفوف، انگوٹھی کہاں سے ملی اور لطائف لاجواب تھے۔

رضوان خلیل، کوٹلی لوہاراں مغربی

★ جاگو جگاؤ تو بہت ہی اچھا تھا اور کہانی بلا عنوان ٹلتی نہیں اور منتخب کہانیاں اچھی رہیں۔ قاضی حسن تاج، کراچی

★ نوروز اقبال کی لکھی ہوئی کہانی "انگوٹھی کہاں سے ملی" بہت دل چسپ کہانی تھی۔ محمد اشرف، کراچی

★ جون کا خوب صورت شمارہ علم کی دنیا کے لیے اپنے دامن میں بے پناہ خوشبوؤں اور مسرتوں کے مہکتے اور شگفتہ پھولوں کی کلیاں لے کر آیا۔ اشاعت اس قدر خوب صورت انداز میں تھی کہ دل خوشیوں سے کھل اُٹھا۔ کلثوم ثروت نذیر، سیال کوٹ

★ کیا ساری کہانیاں کوڑے کے ڈبے میں جاتی ہیں۔ بس انھیں کی شائع ہوتی ہیں کیا جو پہلے لکھ چکے ہیں؟

مرزا محمد علی بیگ، حیدر آباد

★ نونہال کا اب وہ معیار نہیں رہا جو کچھ سال پہلے تھا۔ کہانیوں اور تصاویر کا معیار گر گیا ہے۔ صرف ایک شے ہے۔ جس کا معیار نہیں گرا اور وہ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ ہے۔ اب بھی وہ لائقِ تعریف ہے۔ ہر ماہ سدا بہار قصے اور کسی تاریخی شخصیت سے روشناس کرایا جاتے۔ ہما گلنار، کراچی

> تمھاری تجویزیں نوٹ کر لی ہیں، توفیق کے مطابق عمل کریں گے۔

★ اس ماہ کا رسالہ تو مجھے بہت ہی پسند آیا۔

صفیہ ہاشم، کراچی

★ میں نے نونہال میں کئی تحریریں بھیجیں جو شائع ہوئیں۔ ان کے ساتھ میرے گاؤں کا نام شائع نہیں ہوا حالانکہ میں ہر تحریر کے ساتھ گاؤں کا نام لکھتا ہوں۔ اطہر ندیم، ڈھوک لاہم

★ سفید رنگ کا سفوف اور انگوٹھی کہاں سے ملی بے حد پسند آئیں۔ فرخندہ فیروز، کراچی

★ نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ عظمیٰ اقبال، کراچی

★ میں نے نونہال ۱۹۸۴ء میں جب کہ میں دوسری جماعت میں تھی تو پڑھنا شروع کیا تھا اور اب میں چھٹی جماعت میں ہوں۔ ہمارے خاندان کے سارے بڑے اور بچے نونہال شوق سے پڑھتے ہیں۔ عنبرین، کراچی

★ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ انتہائی پسندیدہ تھا۔ خیال کے پھول اور تحفے بہت پسند آئے۔ کیا میں عربی کہانیوں کا ترجمہ کر کے بھیجوں؟ رفیع الدین فیصل، میرپور خاص

> ہاں ایک کہانی بھیجیے، دیکھیں آپ کی پسند کیسی ہے؟

★ خیال کے پھول، تحفے اور ہمدرد انسائیکلو پیڈیا قابلِ تعریف تھے۔ نازیہ اسلم، کراچی

★ میں نونہالوں کو یہ مشورہ دوں گا کہ اپنی تحریر نہ چھپنے پر شکوہ نہ کریں۔ اگر برکاتی صاحب ناقابلِ اشاعت یا گھسی پٹی تحریریں چھاپ دیں تو آپ خود ہی شکوہ کریں گے کہ تحریریں مزے دار نہیں ہیں۔ محمد قیصر عباسی، حیدر آباد

★ جون کا رسالہ خوب تھا۔ نائلہ بختیار، کوہاٹ شہر

★ خاص نمبر میں ناول کہانی اور کوئی دل چسپ مضمون ہونا چاہیے۔ قسط وار کہانی بھی اسی شمارے سے شروع کر دیجیے۔

ثمینہ فضل غنی اسد، کراچی

> بہت اچھا ثمینہ صاحبہ! ان شاء اللہ ان چیزوں کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوگا۔

★ ہر سطر ہمارے لیے نیا سبق لیے ہوئے تھی۔ سب سے زیادہ ہمارے پسندیدہ کالم "جاگو جگاؤ" نے ذہن کو معطر کیا۔ حکیم صاحب اس خوب صورتی سے الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں کہ وہ سادہ ہوتے ہوئے بھی پُراثر ہوتے ہیں اور دل و دماغ کو بیدار کر دیتے ہیں۔ پہلی بات بھی اس مرتبہ بہت پُراثر تھی۔ کہانی "فساد" (م۔ ندیم) سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جھگڑا عموماً چھوٹی باتوں اور چھوٹی چیزوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ رختاج دریاخان، کراچی

★ بزم ہمدرد نونہال کے مشاعرے میں شرکت کی جو بہت پسند آیا۔ اس کے بعد ۲۷ رمضان المبارک کو عید پاکستان میں بھی شرکت کی تھی جو بے حد پسند آیا۔ ہمیں فخر ہے کہ حکیم محمد سعید اور مسعود احمد برکاتی جیسے لوگ اس ملک میں رہتے ہیں اور اپنے وطن کے نونہالوں میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ زکیہ ایوب، کراچی

★ آپ نے معلومات عامہ ۲۴۲ میں دسویں سوال میں یہ کہا ہے کہ سب سے پہلے ورلڈ کپ فٹ بال ۱۹۳۴ء میں کھیلا گیا تھا، جب کہ میکسیکو ورلڈ کپ کے نام سے مضمون میں لکھا ہے کہ پہلا ورلڈ کپ ۱۹۳۰ء میں کھیلا گیا ہے اور اس میں میزبان ملک یوراگوائے چیمپئن بنا۔ دوسرا ورلڈ کپ ۱۹۳۴ء اور تیسرا ۱۹۳۸ء میں ہوا جس میں اٹلی چیمپئن بنا۔

شازیہ فیاض، ناظم آباد

شاباش شازیہ! تم نے خوب پکڑا۔ پہلا ورلڈ کپ فٹ بال ۱۹۳۰ء ہی میں یوراگوائے میں کھیلا گیا تھا۔ ہم ذرا نونہالوں کی کھیل پر مضمونوں سے دل چسپی کا اندازہ کرنا چاہتے تھے۔ معلومات عامہ ۲۴۴ کے جوابات دیکھو۔

★ کہانیاں خوب صورتی کے ساتھ جلوہ گر تھیں۔ اس رسالے کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے زندہ شخصیت ہم سے مخاطب ہو۔ سرورق دیدہ زیب تھا۔ اس رسالے کا ایک بھی پہلو قابلِ تنقید نہیں تھا۔

نادیہ سعید، سیالکوٹ

★ جناب ساجد علی ساجد کا مضمون میکسیکو ورلڈ کپ پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔

محمد ابراہیم، صوابی

★ میری تجویز یہ ہے کہ خاص نمبر اگست میں شائع کیا کریں، کیوں کہ اگست میں اسکولوں کالجوں کی چھٹیاں ہوتی ہیں اور وہ بڑے آرام سے خاص نمبر کو پڑھ لیتے ہیں۔

دلشاد احمد، میاں چنوں

تمام نونہال اپنی رائے لکھیں تاکہ آیندہ سال سے اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔

★ جاگو جگاؤ پسند آیا۔ اس کے علاوہ سدابہار قصے، فسادِ سرخ گلاب، بلا جو ٹلتی نہیں، میکسیکو ورلڈ کپ، سفید رنگ کا سفوف، انگوٹھی کہاں سے ملی اور تمام نونہالوں کی تحریریں پسند آئیں جب کہ "احمد کی مرغی محمود کے گھر" بالکل فضول اور بور تھی۔

محبوب نواز ملک، بونگہ چھیل

★ اس مرتبہ جاگو جگاؤ اور پہلی بات نے دل پر بہت گہرا تاثر چھوڑا۔

وسیم صادق، کراچی

★ نونہال میں جاگو جگاؤ اور میکسیکو ورلڈ کپ پسند آئے۔ جناب ساجد علی ساجد نے اچھے انداز میں تحریر کیا۔

وقار احمد تربیلوی، تربیلا ٹاؤن شپ

★ میں ہمدرد نونہال بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس کی سالانہ خریدار بننا چاہتی ہوں بتائیے کیا کروں؟

ریحانہ حفیظ

عام ڈاک سے ۵۴ رُپے رجسٹری سے ۸۱ رُپے منی آڈر کر دیجیے۔

★ ۲۷ رمضان المبارک ہماری تاریخ کا نہایت اہم اور مقدس دن ہے۔ اس دن ایک طرف تو قرآن مجید کا نزول ہوا اور دوسری طرف آزادی جیسی نعمت عطا ہوئی۔ دوسرے سالوں کی طرح اس سال بھی میں نے ۲۷ رمضان المبارک عیدِ پاکستان نہایت احترام اور جوش و جذبے کے ساتھ منائی۔ رنگ برنگی جھنڈیوں اور بینروں سے اپنے گھر کو سجایا، محلے کے لوگوں اور اپنے گھر والوں اور رشتے داروں کو جمع کیا۔ یقین کیجیے اس موقع پر جتنا لطف آیا زندگی میں کبھی نہیں آیا۔ واقعی آپ بڑے عظیم انسان ہیں۔ آپ اپنی قوم کی جس طرح خدمت کر رہے ہیں وہ قابلِ تحسین ہے۔

نجمہ حفیظ، کراچی

★ نونہال بہت ہی اچھا رسالہ ہے۔

سائرہ رحمانی، ملتان

★ سرورق نہایت عمدہ تھا۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔ نظمیں، خیال کے پھول اور سدابہار قصے بھی بہت پسند آئے۔

جواد قیوم خاں، حیدرآباد

★ خاص طور پر اخبارِ نونہال اور معلوماتِ عامہ مجھے بہت پسند ہے۔

زبیر احمد، عادل، سلمان احمد، کراچی

★ حکیم صاحب کا جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح دل میں اُتر جانے والا تھا۔ برکاتی صاحب کی پہلی بات تو واقعی سمجھنے کی بات ہے۔ اکثر بچے لکھتے ہیں کہ آپ نے میری تحریر شائع نہیں کی، جواب نہیں دیا۔ یہ نہیں سوچتے کہ اگر ان کی تحریر معیاری ہوگی تو نمبر آنے پر شائع ہو جائے گی اور برکاتی صاحب نے اگر کسی بچے کے خط کا جواب نہیں دیا تو اس کو خود سمجھ لینا چاہیے کہ جواب ضروری نہیں ہوگا، کیوں کہ برکاتی صاحب ہزاروں بچوں کے خط کا جواب تو نہیں دے سکتے جس کا جواب ضروری ہو گا دہی دیں گے۔

پرنم جان، شازیہ فاروقی، کراچی

★ تحفے میں اپنی تحریر "مقام نامعلوم" دیکھ کر میں بہت خوش ہوا، لیکن آپ نے میرا نام لکھنے کے بجائے میرے والد صاحب کا نام لکھ دیا ہے۔ باقی سارا رسالہ خوب صورت تھا۔

محمد امجد محسن، بہاول پور

ان بچّوں کے نام جنھوں نے ہمیں بہت اچھے اچھے خط لکھے،
لیکن جگہ کی کمی کے باعث اُن کے صرف نام دیے جا رہے ہیں۔

کراچی :۔ س،م، دانش، دلعزیز احمد صدیقی، شہزاد گا، ا، ا،
شبانہ پروین، محمد سہیل احمد، سید تصور حسین، سعدیہ علیمی، روبینہ فرید،
ریاض احمد، فہیم مرتضیٰ، شہناز یوسف بھٹی، شبانہ، فرح محمد عدنان انعام،
منزہ سحر، ثمین لاکھانی، ثمینہ کنول، نوید الحق انصاری، یحییٰ خان بلوچ،
ارم ضیا، عظمیٰ فرخ، سید فرید احمد مسرور، ہما ناز عبدالسلام، جاوید اقبال
کھتری، محمد حنیف صدیقی، عبدالغفور، عمران احمد، عبدالقادر قاسم آغاشی،
ملک نعیم احمد اعوان، محمد عمر صدیقی، ہما منظر، ثروت صدیقی، محمد علیم،
ساجد محمود، محمد نعیم ادریس، جاوید خاں، ملک محمد ضیاء اللہ، محمد اکرام
سبحان، ریحانہ کوثر، آمنہ، مرتضیٰ طاہر علی، اکبر خاں، تابندہ، مبین فرقان۔
ادکاڑہ :۔ کامران بلوچ صنم۔ اسلام آباد :۔ محمد وسیم۔ ٹنڈو جام :۔ نواب
فرخ احمد خان زادہ راجپوت۔ حیدر آباد :۔ فیصل یاسین۔ ساہی وال :۔
میاں محمد رؤف اختر وٹو۔ بہاول پور :۔ بختیار احمد انجم۔ میرپور خاص :۔
سیدہ مبشرہ۔ چاہ سیالاں :۔ حافظ محمد اکرم سیال۔ مانسہرہ : ثمینہ ممتاز
سحر سیمی۔ خیرپور :۔ سریش کمار پی ساکھی جانی۔
مردان :۔ زاہدہ رفیع۔ وہاڑی :۔ سلمان ساجد۔ ڈگری :۔ انیلا حفیظ۔
حیدر آباد :۔ عبدالشکور غوری، محمد علی، شازیہ القدوس، ذکی احمد خاں۔
شکارپور :۔ محمد انور قریشی، اشفاق احمد میمن۔ پتوکی :۔ قربان علی بابر،
محمد اسلم جاوید۔ سکھر :۔ فخر الحسن زیدی، نیاز الحسن زیدی۔ فیصل آباد :۔
سمیع اللہ، روح اللہ، محمد آفتاب رفیق۔ لاہور :۔ فرحان دلدار، محمود قدیر
فہیم، ذیشان دلدار ٹونی، رومی رشید۔ سرگودھا :۔ تنویر مختار اعوان۔
خیرپور میرس :۔ الطاف اللہ شیخ۔ سامارو :۔ رفیق احمد قائم خانی۔ نوابشاہ :۔
رابعہ صدیقی۔ ملتان :۔ سیدہ شبانہ پروین۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ :۔ شاہد ندیم۔
ٹنڈو جام :۔ حبیب الرحمٰن۔ جام پور :۔ سجاد احمد بلوچ۔ لاڑکانہ :۔ فائزہ
منیر شیخ۔ اٹک :۔ ریاست خاں۔ اسلام آباد :۔ صائمہ ارم۔ ٹھٹھہ :۔ سید تحریر
علی نقوی۔ جہلم :۔ ملک محمد عثمان۔ رحیم یار خاں :۔ سعدیہ مجید۔ جام پور :۔
شفقت رسول گوپانگ بلوچ۔ سیال کوٹ :۔ آصف محمود جنجوعہ۔ بہاولنگر :۔
پرنس افضل شاہین۔ چمن :۔ محمد ایوب۔ شیخوپورہ :۔ محمد ارشد طارق۔
منگلورہ :۔ ابرار حسین۔ روہڑی :۔ محمد ابراہیم معصوم، امین گل خاں۔

ہمدرد نونہال خاص نمبر

ستمبر ۸۶ء میں شائع ہو رہا ہے۔

☆ دل چسپ و عجیب و غریب کہانیاں ☆ جستجو سے پُر ایک طویل سائنسی کہانی ☆ آسان مذہبی و تاریخی مضامین ☆ مزے دار اور بہت سارے لطیفے ☆ ایک نئے ناول کی پہلی قسط ☆ حکیم محمد سعید کی مزے دار باتیں ☆ معراج کی تین عمدہ اور تازہ کہانیاں ☆ میرزا ادیب کی ایک طویل کہانی ☆ بلا عنوان کہانی ☆ علی اسد کی خاصی لمبی جاسوسی کہانی ☆ مسعود احمد برکاتی کی تین نئی تحریریں ☆ غیر انعامی سوالات ☆ اور دوسرے بہت سے مضامین شامل ہوں گے۔

خاص تحفہ : ایک حسین و رنگین آٹوگراف بک خاص نمبر کے ساتھ بلا قیمت

قیمت نہایت کم، صرف سات رُپے۔ ابھی سے اخبار والے کو آرڈر دے دیجیے۔

ایجنٹ حضرات بھی اپنے آرڈر جلد بھیج دیں

ناظم ہمدرد نونہال، ہمدرد سنٹر، ہمدرد ڈاک خانہ کراچی ۱۸

صحت مند نونہال

عابد حسین، نواب شاہ

محمد سہیل، کراچی

راشد حسین، لاڑکانہ

سلیمان کمال، کراچی

نورالحسن ضیا، پشاور

عاصم الدین، کراچی

محمد سہیل احمد، کراچی

مبین خان، کراچی

یاسین شریف، کراچی

کاشف جاوید بٹ، کراچی

زین العابدین عزیز، کراچی

نعمان ادریس، کراچی

عبدالخالد، کراچی

نعمان احمد خان، کراچی

معلوماتِ عامہ ۲۲۲ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جا رہا ہے، معلومات عامہ کے جوابات اور تصویریں بھیجنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویر کیوں شائع نہیں کی گئی، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے جن کی عمر اچھی ہو گئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاء اللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بڑا انعام۔

۱۔ رفع یدین نماز کے دوران دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھانے کو کہتے ہیں۔

۲۔ قرآن شریف میں حضرت داؤدؑ کی آواز کی تعریف کی گئی ہے۔

۳۔ "آدمی نامہ" کے عنوان سے سب سے پہلے نظیر اکبر آبادی نے نظم لکھی تھی۔

۴۔ جہانگیر کے زمانے میں انگریزوں نے ہندستان میں اپنا پہلا تجارتی مرکز قائم کیا تھا۔

۵۔ قائدِ اعظم ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ کے رُکن بنے تھے۔

۶۔ "داتا کی نگری" لاہور کو کہا جاتا ہے۔

۷۔ سرسید کے صاحب زادے اور مشہور قانون داں سید محمود مشہور فلسفی اسٹوارٹ مِل اور مشہور شاعر ٹینی سن کے ملاقاتیوں میں سے تھے۔

۸۔ کرکٹ کی طرح ہاکی میں بھی دو امپائر ہوتے ہیں۔

۹۔ ریڈیو اور ٹی وی پروگراموں میں کام کرنے والے جس فن کار کے نام میں لفظ قاضی شامل ہے وہ قاضی واجد ہیں۔

۱۰۔ پہلا فُٹ بال ورلڈ کپ ۱۹۳۴ء میں نہیں ۱۹۳۰ء میں یوراگوائے میں ہوا تھا اور یوراگوائے ہی نے جیتا تھا۔ دوسرا فُٹ بال ورلڈ کپ ۱۹۳۴ء میں اٹلی میں ہوا تھا اور اٹلی ہی نے جیتا تھا۔

۱۱۔ "نشاطِ روح" اصغر گونڈوی کے دیوان کا نام ہے۔

۱۲۔ تذکرہ "گلشنِ بےخار" نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کی تصنیف ہے۔

بارہ صحیح جوابات

اس بار معلومات عامہ ۲۴۲ کے بارہ سوالوں کے صحیح جوابات کسی نونہال نے بھی نہیں بھیجے۔

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

محمد رضوان الٰہی
ظفر حسین صدیقی
رفعت سیما
محمد ادیس احمد ملک
عمران احمد نعمانی
سید کاظم رضا جعفری
سید یوسف رضا جعفری
مجیب ظفر انوار مونی
محمد منعم خاں
خواجہ متین احمد
خواجہ مدین احمد
سید ثاقب رضا جعفری
عبدالقدوس شیخ، خیرپور میرس
فیاض احمد سومرو، خیرپور میرس

فیصل آباد

سمیع اللہ
روح اللہ

سکھر

تسنیم نثار انصاری

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

محمد ریاض الدین، کراچی | رضا محمد بھٹو، خیرپور میرس | الطاف اللہ شیخ، خیرپور میرس | ہارون اختر، کراچی | نعیم حسین، شکارپور

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

شاہین اختر انصاری
بینا منیر
آصف خاں
سیما منیر خاں
یاسر منیر خاں
ازہر محمود عالم
اشہر سعید عالم
انوار الحسن انصاری
سید عمیر شہزاد رضا
محمد البصار
مسرت سلطانہ
شازیہ اختر
نیاز خاں
محمد ریحان
عتیق حسن رحمانی

خواجہ عمر فاروق
عبدالقادر قاسم آغائی
شیخ محمد ناصر پدیم راگی
محمد عدنان
سجاد اختر
شیرزماں
محمد طاہر آرائیں، سنجھورو

سانگھڑ
عاجز عبدالرحمٰن رند
محمد امین سیف الملوک
غلام رسول پارس
عمر دین قادری
ندیم اشتیاق
محمد سمیع اللہ، دیپال پور

خیرپور میرس
قدیر محمد صدیقی
توقیر محمد صدیقی
وزیر حسین شاہ نقوی
نواب شاہ
جاوید احمد
بشریٰ شبیر

سید ابرار حسین، راولپنڈی
حیدرآباد
سہیل اختر خاں
نگہت جبیں
عالیہ نزہت، سکھر
تنویر مختار اعوان، سرگودھا
شمیلہ نسرین، اسلام آباد

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی
سعود احمد
محمد طارق خاں
ریاض یوسف
ندیم قدیر
فضل سبحان
محمد مبشر حسن
حور بانو

ثروت
طلعت
سعید احمد
دوست محمد
ناصر منیر
محمد ہاشم منصوری
عارف وحید
غیاث الدین احمد خاں

شیخوپورہ
نیر توحید
کاشف عدنان
لاڑکانہ
غزالہ منیر شیخ غزل
فائزہ منیر شیخ
حیدرآباد
مسرور مسلم قریشی

نابغہ الباس
ٹوبہ ٹیک سنگھ
ایم شاہد ندیم
ہما ناصر

حضور اکرمؐ نے فرمایا

○ تم میں سے جو شخص کسی بُرائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روک دے اور اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر اتنی طاقت بھی نہ ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان کی سب سے کم زور حالت ہے۔

○ جو شخص اللہ اور روزِ آخر پر ایمان لایا ہے اسے چاہیے کہ کُھلی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

مرسلہ: صدف فاروقی، کراچی

ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ

ٹوتھ پیسٹوں کی طویل فہرست میں اس نئے نام کا اضافہ کیوں؟

اس لیے کہ صرف اسی میں
پیلو کے معجزانہ خواص شامل ہیں

پیلو، دانتوں کی مکمل صفائی اور مسوڑھوں کی صحت کے لیے مشرق میں صدیوں سے متعارف ہے۔

طویل تحقیق اور مسلسل تجربات کے بعد اب جدید سائنس نے بھی حفظ دنداں کے لیے اس کے معجزانہ اثرات کو تسلیم کرلیا ہے۔ چوں کہ کسی دوسرے ٹوتھ پیسٹ میں پیلو شامل نہیں اس لیے پیلو فارمولے کے مطابق ایک نئے ٹوتھ پیسٹ کی ضرورت ناگزیر تھی جو ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ نے پوری کردی۔

ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ دانتوں کو صاف اور مسوڑھوں کو مضبوط کرتا ہے اور امراضِ دہن سے محفوظ رکھتا ہے۔

—— صحتِ اسنان ۔ صحتِ انسان ——

ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ

فلورائیڈ کے ساتھ

پیلو کے اوصاف مسوڑھے مضبوط، دانت صاف

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

رجسٹرڈ ایم نمبر ۶۹

ہمدرد
نونہال

اگست ۱۹۸۶ء

manhattan PAKISTAN